سنڌي ڪتاب

حيدر علي لغاري
محمد نواز نوناري

نظرثاني
محمد ابراهيم جويو

سنڌي ٻوليءَ جو بااختيار ادارو
حيدرآباد-سنڌ

سنڌي ٻوليءَ جي بااختيار اداري طرفان غير مادري زبان وارن لاءِ
خاص اشاعت

سنڌي ڪتاب

○

حيدر علي لغاري
محمد نواز نوناري

نظرثاني

محمد ابراهيم جويو

سنڌي ٻوليءَ جو بااختيار ادارو
حيدرآباد- سنڌ
پاڪستان

سنڌي ٻوليءَ جي بااختيار اداري جا سڀ حق ۽ واسطا قائم

ڇاپو : پهريون
سال : 1415 هه / جنوري 1995
تعداد : 3000
قيمت : 15 روپيا

پاران ايم ايچ پنهور انسٽيٽيوٽ آف سنڌ اسٽڊيز، ڄامشورو.
Digitized by M. H. Panhwar Institute of Sindh Studies, Jamshoro.

ملڻ جو هنڌ

سنڌي ٻوليءَ جو بااختيار ادارو
نزد سنڌ صوبائي ميوزيم نيشنل هاءِ وي،
حيدرآباد سنڌ

۽

مرڪزي ڪتاب گهر نمبر - 16
نسيم شاپنگ سينٽر - مڪ بس اسٽاپ
قاسم آباد، حيدرآباد، سنڌ

هي ڪتاب سنڌي ٻوليءَ جي بااختيار اداري جي ڪمپيوٽر تي ڪمپوز ٿيو ۽ اداري پاران اشاعتي نگران امين لغاري ايجوڪيشنل پريس ڪراچي مان ڇپائي حيدرآباد سنڌ مان پڌرو ڪيو.

ترتيب

		صفحو
حصہ اول (آردو)		
حروف تهجی	محمد نواز نوناری	12
اجزاء کلام	=	18
زمان	=	36
مختلف چیزوں کے نام	=	39
حصو ٻيو سنڌي (نثر)		
شاه عبداللطيف ڀٽائي	حيدر علي لغاري	49
سچل سرمست	=	53
مرزا قليچ بيگ	=	57
علامہ آءِ- آءِ قاضي	=	61
خواجہ غلام فريد	=	65
مير عبدالحسين سانگي	شيخ نياز احمد	69
پيرحسام الدين راشدي		72
رئيس غلام محمد خان ڀرڳڙي	حيدر علي لغاري	76
سر حاجي عبدالله هارون	=	82
عمر مارئي	گربخشاڻي	86
سسئي پنهون	=	93
سورٺ راءِ ڏياچ	=	100
ليلا چنيسر	=	104
نوري	=	110
سنڌو	احمد بشير، مترجم: عبدالرسول نظامائي	113
حصو ٽيون (نظم)		
شاه ڪريم رحہ		123
شاه عبداللطيف ڀٽائي رحہ		124
مخدوم محمد هاشم ٺٽوي رحہ		126
سچل سرمست رحہ		127
خليفو گل محمد		128

پہلی بات

زمین و آسمان کی تخلیق اور رنگ و زبان کے اختلافات کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیاں (آیات) قرار دیا ہے.

"سنڌي ٻوليءَ جو با اختيار ادارو" (مقتدرہ سندھی زبان) کے قیام کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ پاکستان کے مختلف علاقوں میں سندھی زبان کی تدریس کا عمدہ بندوبست کیا جائے، تاکہ ہمارے درمیان لسانی تفہیم اور قربت پیدا ہو سکے- ایک کثیر لسانی معاشرہ میں قومي زبان کے ساتھ ساتھ دوسری زبانوں کے فروغ و تدریج کے باعزت مواقع کا ہونا لازم ہے-

اس سلسلہ کی پہلی کتاب اردو کے وسیلے سندھی زبان کی تدریس کی کوشش ہے- ایسي درسی کتابوں کے ساتھ تدریس سندھی کے مراکز قائم کئے جائیں گے، تاکہ یہ کتابیں لائق اساتذہ کی نگراني میں استعمال کی جاسکیں-

کسی زبان کی تدریس کے تین بنیادی مقاصد

ہوتے ہیں. بولنا، پڑھنا اور لکھنا - ہمارے روایتي طرزِ تدریس میں لکھنے اور پڑھنے پر زیادہ زور دیا گیا. آپ کو بہت سے ایسے عالم ملیں گے جو عربی فارسی کے لکھنے اور پڑھنے میں مہارت رکھتے ہیں اور ان زبانوں میں اعلیٰ علمی کتابوں کے مصنف ہیں، لیکن بولنے میں وہ نسبتاً عاجز نظر آتے ہیں، حالانکہ زبان کا اولین مقصد کلام اور گفتگو ہے-

اب زبانوں کی آوازوں کو صحت کے ساتھ لکھنے کے لئے IPA یعنی Internatinal Phonetic alphabet (بین الاقوامی صوتیاتی رسم خط) استعمال ہوتا ہے- ان شاءاللہ ہم زبانوں کے اساتذہ کے لئے مستقبل قریب میں تربیتي کورس شروع کریں گے- ہمارے ادارے کو خوشی ہوگی کہ ہم سندھی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں کے اساتذہ کی بھی خدمت کر سکیں گے۔

میرا خیال ہے کہ زیر نظر کتاب آج کے حالات میں اپنے مقاصد کو پورا کرے گی، اور ہمارے اساتذہ کی نگرانی میں سندھی زبان سیکھنے والے خواتین و حضرات اور طلبہ و طالبات خالص سندھی آوازیں ادا کرسکیں گے- کتاب میں ان آوازوں کے مخارج کی نشان دہی کردی گئی ہے۔

هن ڪتاب ۾ سنڌ جي مختلف شخصيتن جو احوال ڏنو ويو آهي. ان کان علاوه ڪي رومانوي داستان پڻ ڏنل آهن. هڪ مضمون سنڌو درياهه بابت آهي. اميد ته انهن مضمونن مان سنڌي ڪتاب پڙهندڙن کي سٺي معلومات ملندي.

هن ڪتاب جو اردو حصو محترم محمد نواز نوناريءَ لکيو آهي ۽ سنڌي حصي جو ليکڪ ۽ مرتب محترم حيدرعلي لغاري آهي. هن ڪجهه مضمون پاڻ لکيا آهن، ته ڪجهه مضمون مختلف ڪتابن ۽ رسالن تان ورتا آهن.

هيءُ ڪتاب سنڌ جي هر دلعزيز ۽ ادب پرور شخصيت سائين عبدالله شاهه صاحب، وزير اعليٰ سنڌ، جن جي هدايتن موجب لکيو ويو آهي. شاهه صاحب جي دلي تمنا آهي ته نفرتن کي نهوڙي، ڪلفتون ڪوري، پيار ۽ محبت، ايڪي ۽ الفت واري فضا قائم ڪجي. اچو ته شاهه

لطيف، قلندر شهباز ۽ سچل سرمست جي هن سر زمين کي سرسبز ۽ شاداب ڪريون، سمورا ويڇا وساري شاهه سائينءَ جي پيار ۽ امن وارو پيغام عام ڪريون.

هلو هلو ڪورئين، نازڪ جنين جو نينهن،
ڳنديين سارو ڏينهن، ڇنڻ مُور نه سگهيا.
(شاهه)

ڪراچي
۵ جنوري ۱۹۹۵ع

ڊاڪٽر نواز علي شوق
چيئرمين
سنڌي ٻوليءَ جو بااختيار ادارو
حيدرآباد سنڌ

پیش لفظ

اسلام کی آمد کے بعد ھند آریائی تہذیب اور معاشرے میں نئی اور مثبت تبدیلیاں رونما ہوئیں. اور ایک نئی ترکیبی ہیئیت وجود پذیر ہوئی جس نے جہاں معاشرے کی دوسری اقدار اور ذیلی تہذیبی ہیئتوں کو متاثر کیا. وہاں اس نے زبان، اظہار بیان، ادب اور فنونِ لطیفه کی ہیئتوں اور رشتوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لیا. لہذٰا سندھی زبان میں علم و ادب، فنونِ لطیفه اور ذیگر تہذیبی اور ثقافتي شعبوں میں نظریهء توحید نے اپنے انقلابی اثرات ثبت کیئے. کئی برسوں تک سندھی زبان کا رسم الخط دیوناگری رہنے کے باوجود سندھ میں اسلامی اقدار کے فروغ اور عربوں سے تعلقات کے نتیجے میں سندھی زبان کا رسم الخط بھی عربی رسم الخط میں تبدیل ہوا-

ویسے مُغلوں، ان کے ھم قوم ارغونوں اور ترخانوں کے دورِ حکمرانی میں فارسی زبان کو پنپنے کا موقع ملا، اُس کا اثر و رسوخ اُمرا اور دربار کے دوسرے اراکین تک محدود رہا- بہرحال سندھ میں کلھوڑا اور تالپوروں کے عہدِ حاکمیت تک سندھ کی درباری اور سرکاری زبان فارسی ہی رہی- عہدیدار اور منصب دار مخصوصاً اسی زبان میں تقریر و تحریر کے جوہر دکھاتے تھے.

اس دور میں بعض سندھی نژاد شعراء اور ادبا نے فارسی زبان میں طبع آزمائی کی، لیکن اس کے باوجود نمایاں نمائندہ عوامی ادب سندھی زبان ہی میں مقبول ہوا، جس کا ثبوت قاضی قاضن (قادن)، شاه کریم بلڑی والے، اور شاہ عبداللطیف رحه کا شہرہ آفاق کلام ہے- انگریزوں نے سندھ پر

قبضه کیا، تو انہیں سماجي اورسیاسی جائزے کے بعد یه اندازہ اور احساس ہوا که سندھ کے سبھی لوگ اپنی مادری زبان کو جو اہمیت اور حیثیت دیتے ہیں اور اُس کے ساتھ ان کا والہانه فطری لگاؤ ہے کسي اور زبان سے نہیں- اور مشاهده کے بعد انهیں یه بھی معلوم ہوا کہ سندھی زبان اپنی قدامت کے باوجود جدید علمی، ادبي اور فنی رجحانات کو بھی اپنے اندر سمیٹنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے. اور مزید یه که اس میں شعر و ادب کا بیش بہا خزانه موجود ہے، لہذا انہوں نے سندھی زبان کو نه فقط تعلیمي اور تدریسی زبان کے طور فروغ دینے کا اہتمام کیا، بلکه اس کو دفترون میں سرکاری زبان کا بھی درجه دیا.

یه حقیقت ہے که انگریزوں کی ہی سعی و کوشش سے سنه 1853ع میں سندھی زبان کے پرانے رسم الخط کی جگه موجوده معیاری رسم الخط کو آخری شکل دے کر اُسے سندھ کے تعلیمی، تدریسی، سرکاری اور دفتری اداروں میں مروج کیا گیا-

جب پاکستان وجود میں آیا تب بھی اس وقت کی سرکار نے یه بجا طور پر محسوس کیاکه سندھ صوبے میں جو لوگ سرکاری افسر کے طور پر مقرر ہوئے ہیں اور ان مین جن کی مادری زبان سندھی نہیں ہے، اُن کو سندھی سکھائی جائے- اُس کے لیئے ایک قانون بنایا گیا جس کے تحت ایسے افسراُن کو ایک مقرر میعاد میں سندھی زبان کو لکھنے اور پڑھنے کا خاصا ملکہ حاصل ہونا چاہیئے، لہذا اس پر عمل ہوا- اور ہمارے نئے آنے والے بھائیوں اور ساتھیوں نے بھی سندھی زبان کو نہایت محبت اور لگن سے سیکھا، اور اُس میں مہارت حاصل کی جس کی وجه سے نه صرف انتظامی

اُمور کے عمل و نفاذ میں آسانی پیدا ہوئی، بلکہ صوبے میں اردو، پنجابی،پشتو اور سندھی زبانیں بولنے والوں میں آپس میں میل میلاپ،اخوت اور محبت کا ایک خوشگوار ماحول پروان چڑھا- اسی عمل کو زیادہ پختگی اور دوام بخشنے کے لیئے موجودہ حکومت نے اُسی حکمت عملی کو آگے بڑھانے کا ایک خوش آئند پروگرام مرتب کیا ہے- تاکه اس باہمي ربط اور رشتے کی فضا کو برقرار رکھا جائے اور صوبے میں مختلف زبانیں بولنے والوں کو ایک دوسرے کی زبان، تہذیب اور ثقافت کی اقدار کو سمجھنے کا موقع فراہم ہو- اور اُسی نسبت سے ایک دوسرے کے لئے عزت اور احترام کے جذبات پیدا ہوں، اور انتظامی اُمور کے علاوہ مختلف سماجی، سیاسي، تدریسی اور فنی شعبوں میں ہم لوگ ایک دوسرے کی میراث سے واقف ہوں، اور ایک دوسرے کے اور قریب آنے میں ہمیں مدد مل سکے-

ہم وزیر اعلي سندھ سید عبدالله شاہ کی اس نیک نیتی اور دور اندیشی کے اقدام کو سراہتے ہوئے اُمید رکھتے ہیں کہ یہ سلسله کسی ایک وزیر اعلي، کسی ایک سیاسي پارٹی یا کسی ایک انتظامی دائرے تک محدود نہیں رہے گا-

حیدر علی لغاری

رسم الخط

سندھی رسم الخط بصورت نسخ عربی رسم الخط پر مبنی ہے ، جس میں حسبِ ضرورت چھ حروف صحیح (Consonants) کے اضافے سے سندھی رسم الخط کو مکمل کیا گیا ہے ۔ زبر، زیر اور پیش وغیرہ علامات کے استعمال سے یہ رسم الخط سندھی زبان کی تمام تحریری ضرورتیں پوری کرتا ہے ۔

اس طرح سندھی رسم الخط کل 52 حروف پر مشتمل ہے ۔ جن میں عربی کی طرح صرف تین حروف الف، و اور ي زیادہ تر حروف علت (Vowels) کا کام دیئے ہیں۔

سندھی حروف تہجی

ا ب ٻ ڀ ت ٿ ٽ ٺ ث پ ج ڄ جھ ڃ چ ڇ
ح خ د ڏ ڌ ڊ ڍ ذ ر ڙ ز س ش ص ض ط ظ ع غ
ف ڦ ق ڪ ک گ ڳ ڱ گھ ل م ن ڻ
و ھ ء ي

۳۳ حروف جو اردو اور سندھی میں مشترک ہیں

ا ب ت ث پ ج جھ چ ح خ د ذ ر ز س ش
ص ض ط ظ ع غ ف ق گ گھ ل م ن و ھ ء ي

۱۴ حروف جن کی اردو اور سندھی میں مختلف صورتیں ہیں

اردو حروف	سندھی حروف	اردولفظ	سندھی لفظ
ٹ	ٽ	ٹوپی	ٽوپِي
ڑ	ڙ	چمڑی	چمڙِي
ڈ	ڊ	ڈاکٹر	ڊاڪٽرُ
ک	ڪ	کالیج	ڪاليجُ
بھ	ڀ	سنبھال	سنڀالَ

تھ	ٿ	ساتھی	ساٿي
ٹھ	ٺ	ٹھیکیدار	ٺيڪيدارُ
چھ	ڇ	چھوٹ	ڇوٽِ
دھ	ڌ	سندھی	سنڌي
ڈھ	ڍ	ڈھال	ڍالَ
پھ	ڦ	پھانسی	ڦاسِي
کھ	ک	لکھ	لکَ
ي/ے	ي	یکے بعد دیگرے	يکي بعد ديگري

۷- حروف جو خالص سندھی ہیں

ٻ - ڏ - ڄ - ڳ - ڻ - ڃ - ڱ

ٻ- «ب» اور "ٻ" کا مخرج ایک ہے- اِن دونوں کی آوازیں لبوں سے نکالتے ہیں- لیکن "ٻ" کی آواز کے لیے ہونٹ ملاکر سانس کو اندر حلق کی طرف لے جاتے ہیں-

ڏ- «ڈ» اور "ڏ" کا مخرج ایک ہے، دونوں میں فرق یہ ہے کہ "ڏ" بولنے والا آواز کو اندر حلق کی طرف لے جاتا ہے-

ڄ- «ج» اور "ڄ" کا مخرج ایک ہے- دونوں میں فرق یہ ہے- «ج» کی آواز کے دوران سانس مُنہ سے باہر نکالتے ہیں- لیکن "ڄ" کے تلفظ کی آواز کے لیے سانس کو

اندر حلق کی جانب لے جایا جاتا ہے۔

گپ۔ «گ» اور "گپ" کا مخرج نرم تالو ہے "گپ" کی صحیح آواز زبان کے پچھلے حصے کو تالو سے چھونے سے پیدا ہوتی ہے۔

نڑ۔ "نڑ" میں «ن» کی آواز شامل ہے۔"نڑ" کی آواز نکالتے وقت زبان تالو کی طرف الٹی مڑجاتی ہے، اور سانس منہ اور ناک سے ایک ساتھ نکالی جاتی ہے۔

چ۔ «ج» اور "چ" میں فرق یہ ہے کہ «ج» کی آواز کے وقت سانس کو منہ سے نکالا جاتا ہے، اور ناک کی نالی کا منہ بند رہتا ہے۔ لیکن "چ" کے وقت سانس ناک اور منہ سے ایک ساتھ نکالتے ہیں۔

گں۔ «گ» اور "گں" کا مخرج تقریبا ایک جیسا ہے، لیکن "گں" میں نون غنہ کی آواز شامل ہے۔ "گں" کی آواز کے لیے سانس کو منہ اور ناک سے ایک ساتھ نکالا جاتا ہے۔

آواز	سندھی	اردو
ٻ	ٻلي	بلی
	ٻڪري	بکری
	ٻچو	بچہ
ڏ	ڏکُ	دکھ
	هَڏِي	ہڈی
	ڏي	دے
ڄ	ڄِيبَ	جیبھ
	اَڄُ	آج
	ڄَمُون	جامن
ڳ	ساڳُ	ساگ
	راڳُ	راگ
	ڀاڳُ	بھاگ (مقدر)
ڻ	لِکَڻُ	لکھنا
	پَڙهڻُ	پڑھنا
	آچَڻُ	آنا
ڃ	وَڃُ	جا
	مُڃ	مونج
	مَڃَڻُ	ماننا
ڱ	اَڱَڻُ	آنگن
	رَڱَڻُ	رنگنا
	سِڱُ	سینگ

۱- سندھی زبان میں نُون غنه خواه نون اعلانی کی تحریری صورت ایک ہی ہوتی ہے- ہر حالت میں «ن» پر نقطه دیا جاتا ہے-

۲- سندھی میں یائے معروف «ي» اور یائے مجهول «ے» کی تحریری صورت بھی ایک ہوتی ہے- ہر حالت میں اس کے نیچے دو نقطے دیئے جاتے ہیں-

سندھی حروف علت (مصوتے) (Vowels)

سندھی زبان میں دس مصوتے ہیں- تین چھوٹے اور باقي لمبے مصوتے.

۱- (زَبَر) اَ، (زیر) اِ، اور (پیش) اُ، یه تینوں چھوٹے مصوتے ہیں.

آ - اِي- اُو- اي- اَي- او - اَو یه لمبے مصوتے ہیں-

۲- سندھی زبان کی یه بھی بڑی خصوصیت ہے، که هر سندھی لفظ کا آخري حرف صحیح (Consonent) متحرك ہوتا ہے. خاص طور پر زَبر - زیر یا پیش، کی علامت سندھی کے ہر لفظ کے اختتامی حرف صحیح (Consonent) پر استعمال ہوتی ہے-

مصوتے	سندھی	اردو
اَ	خَبَرَ	خبر
اِ	دِلِ	دل

اَ	گَلُ	گل
آ	نانا	نانا
اِي	بِي بِي	بی بی
اُو	رُولُ	رُول (قانون)
اي	ويرُ	بیر
اَي	خَيرُ	خیر
او	ٽوپِي	ٹوپی
اَو	خَوفُ	خوف

۳- تنوین- سندھی اور اردو میں تنوین کے استعمال میں کوئی فرق نہیں-

مثلاً   مثلاَ

اتفاقاً   اتفاقا

تشدید– سندھی اور اردو میں تشدید کا استعمال یکساں ہے.

ضِدّي   ضدّي

تڪَبُّرُ   تکبّر

جزم– سندھي اور اردو میں ساکن حروف پر جزم دی جاتی ہے-

حَمْدُ   حمْد

جَزْمَ   جزْم

اجزائے کلام

سندھی زبان میں اجزائے کلام (Parts of Speech) آٹھ ہیں:- اسم، صفت، ضمیر، فعل، ظرف، حرف جَر، حرف جملو (عطف)، حرف ندا.

اسم

جنس (Gender)

سندھی زبان میں اسم کی دو جنسیں ہوتی ہیں، مذکر اور مؤنث-

وہ اسماء جو تذکیر کی نشاندھی کرتے ہیں ان کو مذکر کہا جائے گا، اور وہ اسماء جو تانیث دکھائیں گے، ان کو مؤنث کہاجائے گا-

اسم کے آخری اعراب سے تذکیر و تانیث کا پتا چلتا ہے-

عدد (Number)

سندھی زبان میں اسم کے دو عدد ہوتے ہیں: عدد واحد اور عدد جمع-

واحد سے جمع بنانے کا مدار اسم کی جنس اور ان کی آخری اعراب پر ہے-

جنس مؤنث اور عدد

(Feminine gender and number)

سندھی زبان کے وہ اسماء جن کی آخر میں «ا»

«آ» «اِ» اور «اِي» آتے ہیں، ایسے اسماء کی عام طور جنس مؤنث ہوتی ہے۔

الف– وہ مؤنث اسماء جس کی آخر میں «اَ» آتی ہے، وہ عدد واحد ہیں، ان کی جمع بنانے کیلئے «آ» کو «اُون» میں تبدیل کیا جاتا ہے۔

مثلاً

سندھی جنس مؤنث

عدد واحد	عدد جمع	اردو ترجمہ
زالَ	زالُون	عورت
رِڍَ	رڍُون	بھیڑ
کَٽَ	کٽُون	کھاٹ
اميدَ	اميدُون	امید
زمينَ	زمينُون	زمین

ب– (۱) وہ واحد مؤنث اسماء جن کی آخر میں «آ» آتا ہے، ان کی جمع بنانے کیلئے «اُون» کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

عدد واحد	عدد جمع	اردو ترجمہ
دُنيا	دنيائُون	دنیا
دَوا	دوائُون	دوا
دُعا	دعائُون	دعا
پُوڄا	پوڄائُون	پوجا
هَوا	هوائُون	ہوا

(۲) چند ایسے اسماء بھی ہیں جن کے آخر میں «آ» آتا ہے، لیکن وہ جنس مذکر ہیں- ایسے چند اسماء استثني قرار دیئے گئے ہیں.

مثلا:

عدد واحد	عدد جمع	اردو ترجمه
دیوتا	دیوتائوْن	دیوتا
راجا	راجائون	راجه

ت— (۱) وہ واحد مؤنث اسماء جن کے آخر میں «اِ»(زیر) آتا ہے، ان کی جمع بنانے کیلئے «یُون» کا اضافه کیا جاتا ہے-

جنس مؤنث

عدد واحد	عدد جمع	اردو ترجمه
جاءِ	جایُون	جگه
اکِ	اکیُون	آنکھ
دلِ	دلیُون	دل
مکِ	مکیُون	مکھی
راتِ	راتیُون	رات

(۲) چند ایسے بھی مذکر اسماء ہیں، جن کی آخر میں «اِ» اعراب آتا ہے، جو در اصل مؤنث کی علامت ہے، لیکن ان کو استثنی قرار دیا گیا ہے۔

مثلاً:

جنس مذکر

عدد واحد	عدد جمع	اردو ترجمه
سيٺِ	سيٺيُون	سیٹھ

ث– (۱) وہ مؤنث اسماء جن کِے آخر میں «اِی» آتا ہے، ان کی جمع بنانے کیلئے «اِی» کو «یُون» میں بدل دیا جاتا ہے.

جنس مؤنث

عدد واحد	عدد جمع	اردو ترجمه
ڇوڪِرِي	ڇوڪريُون	لڑکی
ٻڪِرِي	ٻڪريُون	بکری
ڪرسِي	ڪرسيُون	کرسی
ٻلِي	ٻليُون	بلی
نيڪِي	نيڪيُون	نیکی

(۲) استثنی کے طور منذرجه ذیل اسماء مذکر گردانے جاتے ہیں، اور ایسے اسماء کی عدد واحد اور جمع میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، مثلاً:

عدد واحد	عدد جمع	اردو ترجمه
هاٿِي	هاٿِي	ہاتھی
ڌوٻِي	ڌوٻِي	دھوبی
پاڻِي	پاڻِي	پانی
پکِي	پکِي	پرندہ
موتِي	موتِي	موتی

ج– سندھی زبان کے کچھ مؤنث اسماء اردو زبان میں مذکر ہیں:۔

سندھی/مؤنث	اردو/ مذکر
اخبارَ	اخبار
تارَ	تار
موسمَ	موسم
ماجرا	ماجرا
دعويٰ	دعویٰ
مدعا	مدعا
دلِ	دل
دربارِ	دربار
بازارِ	بازار

جنس مذکر اور عدد *(Masculine gender and Namber)*

سندھی زبان میں زیادہ تر وہ اسماء جن کی آخر میں «اُ» «اُو» «اُون» اور «او» آتا ہو، وہ جنس مذکر ہوتے ہیں-

الف- (۱) وہ واحد مذکر اسماء جن کی آخر میں «اُ» آتا ہے- ان کی جمع بنانے کیلئے «اُ» کو «اَ» (زبر) میں تبدیل کیا جاتا ہے-

جنس مذکر

عدد واحد	عدد جمع	اردو ترجمه
ڪتابُ	ڪتابَ	کتاب
گھرُ	گھرَ	گھر
پيرُ	پيرَ	پیر
فقيرُ	فقيرَ	فقیر
گلُ	گلَ	گُل

(۲) کچھ اسماء جن کی آخر میں «اُ» (پیش) آتا ہے پھر بھی استثنی کی طور پر مؤنث گردانے جاتے ہیں- اور ان کو عدد جمع میں لانے کے لئے «اُ» کو «اُون» میں بدل دیا جاتا ہے-

جنس مؤنث

عدد واحد	عدد جمع	اردو ترجمه
وڄُ	وڄُون	برق
ڀيڻُ	ڀيڻُون	بہن
سَسُ	سَسُون	ساس
ماءُ	مائُون	ماں

ب— (١) ایسے مذکر اسماء جن کے آخر میں «اُو» یا «اُوں» آتا ہو ان کے عدد واحد کو جمع میں بدلنے کیلئے کوئی تبدیلی نہیں کرنی پڑتی-

جنسِ مذکر

عدد واحد	عدد جمع	اردو ترجمہ
آڙو	آڙو	آڑو
ماڻهو	ماڻهو	آدمی
چَتُون	چَتُون	طوطہ
ڪَچُون	ڪچُون	کچھوا

(٢) استثنی کے طور پر کچھ «او» اور «اُون» اعراب والے اسماء کی جنس مؤنث بھی گردانی جاتی ہیں، اور ان کے عدد بنانے میں بھی کوئی تبدیلی نہیں کرنی پڑتی-

جنس مؤنث

عدد واحد	عدد جمع	اردو ترجمہ
ڳئُون	ڳئُون	گائے
آبرو	آبرُو	آبرو

ت— (١) سندھی زبان میں ایسے اسماء جن کی آخر میں «او» آتا ہے، ان کے عدد واحد کی جمع بنانے کیلئے «او» کو «آ» میں بدل دیا جاتا ہے-

جنس مذکر

اردو ترجمہ	عدد جمع	عدد واحد
ہفتہ	هَفتا	هَفتو
لڑکا	ڇوڪرا	ڇوڪرو
دانہ	داڻا	داڻو
گھوڑا	گھوڙا	گھوڙو
پردہ	پَردا	پَردو

جنس مذکر سے مؤنث بنانے کے کچھ اصول

ث– (۱) مذکر اسماء جس کی آخر میں «اُ» اعراب آتا ہے ، ان کا مؤنث بنانے کے لئے «اُ» کو «اِ» (زیر) اور «اِي» میں تبدیل کیا جاتا ہے .

مثلاً:

ترجمہ	مؤنث	مذکر
مرغا/ مرغی	ڪُڪڙِ	ڪڪڙُ
لڑکا / لڑکی	ڇوڪَرِ	ڇوڪَرُ
بکرا / بکری	ٻڪرِي	ٻڪرُ
چڑا / چڑی	جهرڪي	جهرڪ

ج- (١) وہ مذکر اسمٰاء جن کے آخر میں «او» اور «اُو»
اعراب آتا ہے، ان کا مؤنث بنانے کیلئے «او»
کو «اِي» میں تبدیل کرتے نہیں۔

مثلاً:

مذکر	مؤنث	ترجمہ
گھوڙو	گھوڙِي	گھوڑا / گھوڑی
ڏاڏو	ڏاڏِي	دادا / دادی
چاچو	چاچِي	چچا / چچی
مامو	مامِي	ماموں / ممانی
نانو	نانِي	نانا / نانی

(٢) عموما کچھ اسماء مذکر اور مؤنث مادہ کے لحاظ سے
گردانے جاتے ہیں.

مثلاً:

مذکر		مؤنث	
مڙسُ	(مرد)	زال	(عورت)
راجا	راجا	راڻي	(رانی)
پِيءُ	(باپ)	ماءُ	(ماں)
پُٽُ	(بیٹا)	ڌِيءَ	(بیٹی)
ڀاءُ	(بھائی)	ڀيڻ	(بہن)
گھوٽُ	(دلہا)	ڪنوار	(دلہن)
ڍڳو	(بیل)	ڍڳي	(گاءِ)

(٣) سندھی زبان کے ایسے اسماء مذکر بھی ہیں جن کی مؤنث بنانے کے لیے ان اسماء کے پیچھے «ڻ» یا «ٹي» علامت ملاتے ہیں.

مثلاً:

مذکر		مؤنث	
شِينهن	(شیر)	شينهڻِ	(شیرنی)
هاٿِي	(ہاتھی)	هاٿِڻِ	(ہتھنی)
فقيرُ	(فقیرُ)	فقيرِياڻِي	(فقیرنی)
ماستَرُ	(ماسٹر)	ماستِرِياڻِي	(ماسترنی)
ڊاڪٽَرُ	(ڈاکٹر)	ڊاڪٽرِياڻِي	(ڈاکٹرنی)

(ح)—سندھی زبان کے کچھ مذکر اسماء جو اردو زبان میں مؤنث ہیں:

مثلاً:

مذکر (سندھی)	مؤنث (اردو)
ڪتابُ	کتاب
تپُ	تپ
اولادُ	اولاد
احتياجُ	احتیاج
اطلاعْ	اطلاع
جُلدُ	جُلد
شَرَمُ	شرم
عَقُلُ	عقل
صُبُحُ	صبح
موتُ	موت
غزلُ	غزل
خيرُ	خیر
قَدرُ	قدر

ضمائر (Pronouns)

الف– ضمير خالص:

(١) متكلم:

واحد		جمع	
آءٌ/مان	(میں)	اسان	(ہم)
مون کي	(مجھے/مجھکو)	اسان کي	(ہمیں/ہمکو)
مُنهنجو/ منهنجي	(میرا/میری)	اسان‌جو/اسان‌جي	(ہمارا/ہماری)

(٢) حاضر:

تُون	(تو)	تَوهين/اَوهين	(آپ)
تو کي	(تجھے/تجھکو)	تَوهان کي/ اَوهان کي	(تمہیں/آپکو)
تُنهْنجو	(تیرا)	تَوهان‌جو/اَوهان جو	(آپ کا)

(٣) غائب:

هُو/هِيءُ	(وہ/یہ)	هُو	(وہ)
هِن کي	(اسکو)	هِنَن کي	(ان کو)
هُنَ جو	(اس کا)	هُنَن جو	(اُن کا)

ب– ضمير اشاره:

(۱) اشاره نزديک (قريب):

واحد		جمع	
اِهو	(يه)	اِهي	(يه)
اِنهيءَ کي	(اِسی کو)	اِنهَنِ کي	(انہی کو)
اِنهيءَ جو	(اِسی کا)	اِنهَنِ جو	(انہی کا)

(۲) اشاره دور (بعيد):

واحد		جمع	
أهو	(وه)	أهي	(وه)
أنهيءَ کي	(اُس کو)	أنهَن کي	(اُن کو)
أنهيءَ جو	(اُس کو)	أنهَن جو	(اُن کا)

ت– ضمير استفهام:

واحد		جمع	
ڪيرُ/ڪيرَ (مؤنث)	(کون)	ڪيرِ	(کون)
ڇا	(کيا)	ڇا	(کيا)
ڇو	(کيوں)	ڇو	(کيوں)
ڪَنهِن	(کس)	ڪِن	(کن)
ڪَنهِن کي	(کس کو)	ڪِنِ کي	(کن کو)
ڪَنهِن جو	(کس کا)	ڪِنِ جو	(کن کا)

ث– ضمير موصول:

واحد		جمع	
جو/جا(مؤنث)	(جو)	جي	
جيڪو/جيڪا(مؤنث)		جيڪي	
جَنهن	(جس)	جِن	(جن)
جَهڙو/جَهڙِي(مؤنث)	(جيسا/جيسی)	جهڙا/جهڙيون(مؤنث)	(جيسے/ونسے)
جيترو/جيترِي(مؤنث)	(جتنا/جتنی)	جيترا/جيتريون(مؤنث)	(جتنی/جتنی)
جيئن	(جيسے)		
جڏهن	(جب)		

ج– جواب موصول:

مذکر / مؤنث		مذکر / مؤنث	
سو / سا	(وه)		
تَهڙو/تَهڙِي	(ويسا/ويسی)	تهڙا/تهڙيون	(ويسے/ويسی)
تيترو/ تيتري	(اُتنا/اُتنی)	تيترا/تيتريون	(اُتنے/اُتنی)

مذکر / مؤنث	مذکر / مؤنث
جهڙا / جهڙيون	(جيسے / جيسی)
جيترا / جيتريون	(جتنے / جتنی)

تيئن	(ويسے)
تڏهن	(تب)

ح– ضمير مشترڪ:

پاڻ	(خود)	پاڻ	(خود)
پنهنجو	(خود کا)	پنهنجا	(خود کے)

ح– ضمیر مبہم:

ڪو/ ڪا	(کوئی)	ڪي	(کوئی)
ڪنهن کي	(کس کو)	ڪِن کي	(کن کو)
ڪنهن جو	(کس کا)	ڪن جو	(کن کا)

صفت (*Adjective*)

سندھی زبان میں اردو کی طرح صفت موصوف سے پہلے آتی ہے- اور موصوف کے ساتھ عدد اور جنس کے مطابق گردانی جاتی ہے-

مذکر		مؤنث	
واحد	جمع	واحد	جمع
چڱو (اچھا)	چڱا (اچھے)	چڱي (اچھی)	چڱيون (اچھی)
ننڍو (چھوٹا)	ننڍا (چھوٹے)	ننڍي (چھوٹی)	ننڍيون (چھوٹی)
ٿورو (تھوڑا)	ٿورا تھوڑے	ٿوري (تھوڑی)	ٿوريون (تھوڑی)
نئون (نیا)	نوان نئے	نئي (نئی)	نيون (نئی)

فعل (Verb)

سندھی زبان میں اردو کی طرح دو فعل ہیں:- فعل لازمی - فعل متعدي.

الف- جس فعل کو صرف فاعل ہو، مفعول نہیں ہو، اور مقصد بھی واضح ہو، وہ فعل لازمی بنتا ہے- یہ فعل فاعل کے عدد اور جنس میں گردان کرتا ہے-

چوکرو روئي تو (لڑکا رو رہا ہے) چوکرا روئن تا (لڑکے رو رہے ہیں)
پکي اڈامي تو (پرندہ اڑتا ہے) پکي اڈامن تا (پرندے اڑتے ہیں)
مان هلان تو (میں چلتا ہوں) اسين هلون تا (ہم چلتے ہیں)

ب- فعل متعدي میں فعل کے فاعل اور مفعول دونوں ہوتے ہیں-

مان كتاب پڙهان تو. (میں کتاب پڑھتا ہوں)
اسين كتاب پڙهون تا. (ہم کتاب پڑھتے ہیں)
علي خط لکي تو. (علی خط لکھتا ہے)

مصدر (Infinitive)

(۱) سندھی زبان میں مصدر کی نشانی «ڻ» ہے . مثلاً:

اَچَڻُ (آنا)
وَڃَڻُ (جانا)
پِيَڻُ (پینا)
مارِڻُ (مارنا)
وَڍِڻُ (کاٹنا)

(۲) مصدر سے «ڻ» نکالنے سے سندھی میں مادہ «امر» بنتا ہے- سندھی میں امر کے معنی ہیں ‹حکم›. مثلاً:

لکَڻُ	لکَ
پَڙهڻُ	پَڙهہ
مارِڻُ	مارِ
وَڍِڻُ	وڍِ

(۳) امر کے پیچھے «آن» یا «یان» ملانے سے مضارع بنتا ہے. مثلاً:

لکَ	لکان
پَڙهہ	پَڙهان
مارِ	ماريان
وڍِ	وڍيان

(٤) امر کے پیچھے «ال» یا «یل» اور «یو» یا «او» لگانے سے اسم مفعول بنتا-

لکَ-لِکیو/لِکیَلُ
پَڙهہ - پڙهيو/پڙهيلُ
مار- ماريو/ ماريل
وڍِ – وڍيو / وڍيل

(۵) اسم حالیه بنانے کیلئے امر کے پیچھے «آندو» یا «ایندو»، الفاظ ملائے جاتے ھیں

لکُ – لکندو

مارِ – ماریندو

وِڍِ – وڍیندو

پڙهه – پڙهندو

مصدر	امر	مضارع	اسم مفعول	اسم حالیه
اُٿڻُ (اُٹھنا)	اٿُ	اُٿان	اٿیو/ اٿیل	اٿندو
	آٿِ	آٿیان	آندو/ آندائین	آٿیندو
ٻڌڻُ (سُننا)	ٻڌ	ٻڌایان	ٻڌایو/ ٻڌل	ٻڌندو
ترسڻ (ترسنا)	ترسَ	ترسان	ترسیو/ ترسیل	ترسندو
ٿیڻُ (ہونا)	ٿيُ	ٿیان	ٿیو/ٿیَلُ	ٿیندو
پڙهڻُ (پڑھنا)	پڙهہ	پڙهان	پڙهیو/ پڙهیل	پڙهندو
پیئڻُ (پینا)	پيءُ	پٿیان	پیتو/ پیتل	پیئندو
جاچڻُ (جاچنا)	جاچ	جاچیان	جاچیو/جاچیل	جاچیندو
جوڙڻُ (جوڑنا)	جوڙ	جوڙیان	جوڙیو/ جوڙیَلُ	جوڙیندو
چاڻڻُ (جاننا)	چاڻَ	چاڻیان	چاڻو/ چاڻل	چاڻیندو
ڇڏڻُ (چھوڑنا)	ڇڏِ	ڇڏیان	ڇڏیو/ڇڏیَلُ	ڇڏیندو
ڌوئڻُ (دھونا)	ڌوءُ	ڌوئانِ	ڌوتو	ڌوئندو

ڊوڙڻ (دوڑنا)	ڊوڙ	ڊوڙان	ڊوڙيو/ڊوڙيَل	ڊوڙندو
رڌڻ (پکانا)	رڌِ	رڌيان	رڌيو/ رڌيل	رڌيندو
سِکڻ (سیکھنا)	سکَ	سکان	سکيو/سِکيَل	سکندو
سنڀالڻ (سنبھالنا)	سنڀالِ	سنڀاليان	سنڀاليو/سَنڀاليَل	سنڀاليندو
سوچڻ (سوچنا)	سوچ	سوچيان	سوچيو/ سوچيل	سوچيندو
ڪرڻ (کرنا)	ڪرِ	ڪريان	ڪريو/ڪريَل	ڪيو/ڪيَل
کائڻ (کھانا)	کاءُ	کائنان	کاڌو	کائيندو
گذارڻ (گذارنا)	گذارِ	گذاريان	گذاريو/گذاريَل	گذاريندو
ڳائڻ (گانا)	ڳاءِ	ڳايان	ڳايو/ ڳايل	ڳائيندو
گهمڻ (گھومنا)	گهمَ	گهمان	گهميو/گهميَل	گهمندو
ملڻ (ملنا)	ملَ	ملان	مليو/مِليَل	ملندو
نڪرڻ (نکلنا)	نڪرَ	نڪران	نِڪريو/نِڪريَل	نڪرندو
وڃڻ (جانا)	وڃُ	وڃان	ويو	ويندو
هلڻ (چلنا)	هلَ	هلان	هليو/هليل	هلندو
ويهڻ (بیٹھنا)	ويهہ	ويهان	ويٺل	ويهندو

الف - مضارع سے بننے والے الفاظ

(۱) مضارع کے آگے یا پیچھے "تو" (تا) "تي" "تيون" ملانے سے زمان حال بنتا ہے۔ مثلاً:

مان لکان تو۔ (میں لکھتا ہوں)

اسين لکون تا۔ (ہم لکھتے ہیں)

مان لکان ٿي (میں لکھتی ہوں)
اسین لکون ٿيون. (ہم لکھتی ہیں)

(۲) مضارع کے پیچھے «پیو» «پیا» "پئي" "پيون" ملانے سے زمان حال استمراری بنتا ہے-

مان لکان پیو. (میں لکھ رہا ہوں)
اسین لکون پیا. (ہم لکھ رہیں ہیں)

(۳) مضارع کے پیچھے «ها» ملانے سے ماضی شرطیه بنتا ہے. مثال:

مان لکان ها. (میں لکھتا/میں لکھتی)
اسین لکون ها. (ہم لکھتے/ ہم لکھتین)

اسم حالیه سے بنے ہوئے زمان

ب— (۱) زمان مستقبل کا واحد غائب بالکل اسم حالیه جیسا ہے، لیکن اُس کے آخری صوتیے «او» کو اُ، اَ، آ، اُون وغیره میں بدل کر ضمیري علامتیں «سِ»، «سین» «سُون» ملانے سے مستقبل بنتا ہے.
جیساکه:

مان لکندس. (میں لکھوں گا)
اسین لکنداسین. (ہم لکھینگے)

(۲) اسم حالیه کے پیچھے «پیو» «پیا» «پئی» اور «پیوں» ملانے سے مستقبل استمراری بنتا ہے-
مثال:

مان لکندس پیو. (میں لکھتا رہونگا)

اسين پڙهنداسين پيا.   (ہم پڑہتے رہینگے)
هو لکندو پيو.   (وہ لکھتا رہے گا)

(۳) اسم حاليه کے پیچھے «آهي» ملانے سے حال مدامی بنتا ہے. مثلاً:

هُو لکندو آهي.   (وہ لکھتا رہتا ہے)
اسين پڙهندا آهيون.   (ہم پڑہتے رہتے ہیں)

(٤) اسم حاليه کے پیچھے «هو» ملانے سے ماضی مدامی بنتا ہے. جیساکہ:

هيءُ لکندو هو.   (یہ لکھتا رہتا تھا)
هو پڙهندو هو.   (وہ پڑھتا رہتا تھا)

(۵) اسم حاليه کے پیچھے «هوندو» ملانے سے زمان حال متشکی بنتا ہے. مثلاً:

لکندو هوندو.   (لکھتا ہوگا)
پڙهندو هوندو.   (پڑھتا ہوگا)
ماريندو هوندو.   (مارتا ہوگا)

اسم مفعول سے بنے ہوئے زمان

ت– (۱) ماضی مطلق یہ اسم مفعول جیسا ہے. جیساکہ:–

لکيو – پڙهيو – ماريو.

مون لکيو   (میں نے لکھا)

اسان پڙهيو (ہم نے پڑھا)
هُن ماريو (اس نے مارا)

(۲) اسم مفعول کے پیچھے «آهي» ملانے سے ماضی قریب بنتا ہے۔ مثلاً لکيو آهي، پڙهيو آهي.

مون پڙهيو آهي. (میں نے پڑھا ہے)
اسان لکيو آهي. (ہم نے لکھا ہے)

(۳) اسم مفعول کے پیچھے «هو» ملانے سے ماضی بعید بنتاہے۔مثلا:- لکيو هو، پڙهيو هو.

مون لکيو هو. (میں نے لکھا تھا)
اسان پڙهيو هو. (ہم نے پڑھا تھا)

(٤) اسم مفعول کے پیچھے «هوندو» ملانے سے ماضی متشکی بنتا ہے۔مثلاً:- ماريو هوندو. لکيو هوندو.

هُن ماريو هوندو. (اُس نے مارا ہوگا)
هن لکيو هوندو. (اُس نے لکھا ہوگا)

(٥) اسم مفعول کے پیچھے «ٿي» یا «پئي» ملانے سے ماضی استمراری بنتا ہے۔مثلاً:- لکيو ٿي- پڙهيوپئي.

مون لکيو ٿي. (میں لکھ رہا تھا)
اسان پڙهيوپئي. (ہم پڑھ رہے تھے)

موسموں کے نام

سندھی	اردو
بهارُ	بہار
سَرءُ	خزان
اُونهارو	موسم گرما
سِيارو	موسم سرما

ہفتے کے دن

سندھی	اردو
ڇنڇرُ	سنیچر
آچرُ	اتوار
سُومرُ	سوموار/ پیر
اَڱارو	منگل
اربع	بُدھ
خميسَ	جمعرات
جمعو	جمعہ

اطراف

سندھی	اردو
اولهہُ	مغرب
اوڀرُ	مشرق
اتر	شمال
ڏکڻُ	جنوب

دایاں	ساڄو
بایاں	کاٻو

عسیوی سال کے ماہ کے نام

اردو	سندھی
جنوری	جَنوَرِي
فروری	فيبَروَرِي
مارچ	مارِچُ
اپریل	اَپريلْ
مئی	مَئي
جون	جُون
جولائی	جُولاءِ
اگست	آگَسٽُ
ستمبر	سيپٽمبَرُ
اکتوبر	آڪٽوبَرُ
نومبر	نَومبَرُ
دسمبر	ڊِسَمبَرُ

رنگوں کے نام

اردو	سندھی
سفید	اڇو
لال/سرخ	ڳاڙھو/سُرخ

سبز/ہرا	سائو
پیلا	پِيلو
نیلا	نِيرو
نارنگی	نارنگِي
سونہری	سونهَرِي
کالا	ڪارو
گلابی	گلابِي

اعضا کے نام

اردو	سندھی	اردو	سندھی
سر	مَٿو	انگوٹھا	آڱُوٺو
کھوپڑی	کوپِري	چھوٹی انگلی	چيچَ
ناک	نَڪُ	درمیانی انگلی	وِچين آڱُرِ
ہاتھ	هَٿُ	انگلی شہادت	ڏِسٽِي
ٹانگ	ٽَنگَ	ہڈی	هَڏِي
بازو	ٻانهَن	مونچھ	مُڇَ
پائوں	پيرُ	گھٹنہ	گوڏو
ہونٹ	چَپَ	گردن	ڳِچِي
دھڑ	ڌَڙُ	ٹھوڑی	کاڏِي
گردن	ڪَنڌُ	ایڑی	کُڙِي
پیٹھ	پُٺِي	مسوڑنے	مَهارَ
کھال	کَلَ		

زبان	زِبانَ/جِيڀَ	دایاں ہاتھ	سَڄو هٿُ
		بایاں ہاتھ	کَٻو هَٿُ
دانت	ڏَندَ	کلائی	ڪَرائي
انگلی	آڱُرِ	کہنی	ٺُونٺِ
گال	ڳَلَ	پسلی	پاسِري
ناخن	نُنهَن	منہ	واتَ
پھیپھڑے	ڦِڦڙُ		
گردہ	ٻُڪِي		
پیشانی	نِرَڙُ		

پھلوں کے نام

اردو	سندھی	اردو	سندھی
سیب	صُوفُ	جامن	ڄَمُون
آم	اَنبُ	ناشپاتی	ناسِپاتِي
کیلا	ڪيلو	کاجو	ڪاڄو
پپیتہ	پَپِيتو/ڪاٺَ ڳِدِرو	مالٹا	مالِٽا/مالِٽو
نارنگی	نارَنگِي	بیر	ٻيرَ
شریفہ	سِيتا ڦَلُ	بادام	بادامَ
آڑو	شَفِتالُو	پستہ	پِستا
خوبانی	زَرِدالُو	کھجور	کارِڪُون/کَتَلَ
چھوہارا	ڇُنهارو	الوبخارا	آلُوبخارا
گنا	ڪَمَندُ	امرود	زَيتُونَ
خربوزہ	ڳِدِرو	فالسے/فالسہ	ڦاڙُوا

تربوز	هِنداڻو	نيبو	لِيمُون
ناریل	ناريلُ	چیکو	چِيڪُو
انار	ڏاڙهُونِ		

گھر سے متعلق سامان

اردو	سندھی	اردو	سندھی
مکان/گھر	گهَرُ	پردہ	پَردو
چھت	ڇتِ	تکیہ	وِهاڻو
صحن	اَڱَڻُ	پنکھا	پَکو
کمرہ	ڪمِرو	کنگھا	ڦڻِي
بستر	بِسترو	چولہا	چُلهو
سیڑھی	ڏاڪڻِ	سرمہ	سُرمَون
تولیہ	ٽُوالُ	دیگچی	ديڳڙِي
جگہ	جاءِ	جھاڑو	ٻُهارو
برآمدہ	وِراندو	چمچہ	چَمچو
باورچی خانہ	رَنڌڻو	آگ	باهِ
چارپائی	کَٽَ	مٹکا	مَٽُ
فرش	پَٽُ	چھلنی	چاڻِي
اینٹ	سِرَ	برتن	ٿانوَ/ باسَڻَ
سُتون	ٿَنڀُ	غلاف	ڇَوَ
بیت الخلاء	ڪاڪُوسُ	طشتری	ساسَرِ-رِڪابِي
نالی	مورِي	راکھ	رَکَ

بیٹھک ـــ اوطاق انگارہ تانڊو

رشتہ داروں کے نام

اردو	سندھی	اردو	سندھی
ماں	ماءُ	سالی	سالِي
باپ	پِيءُ	پھوپی	پُڦي
چچا	چاچو	پھوپھا	پُڦڙُ
چچی	چاچِي	ہم زلف	سنڍُو
بھائی	ڀاءُ	سسر	سَهُرو
بہن	ڀيڻُ	ساس	سَسُ
شوہر	مُڙسُ	بیٹا	پُٽُ
بیوی	زالَ	بیٹی	ڌِيءَ
پوتا	پوٽو	دادا	ڏاڏو
پوتی	پوٽِي	دادی	ڏاڏِي
ماموں	مامون	خالو	ماسَڙُ
ممانی	مامِي	خالہ	ماسِي
خالہ زاد بھائی	ماساتُ	بھتیجا	ڀائِٽيو
خالہ زاد بہن	ماساتِ	بھتیجی	ڀائِٽي
نانا	نانو	بہو	نُنهَن
نانی	نانِي	سوکن	ڀَھاڄَ
چچا زاد بھائی	سوٽُ	دیور	ڏيرُ

چچا زاد بہن	سوٽ	نواسا	ڏوھٽو
سالا	سالو	نواسی	ڏوھٽي
سوتیلا بھائی	ماٽيجو ڀاءُ	بہنوئی	ڀيڻيويو
سوتیلی ماں	ماٽيجي ماءُ	رضاعی بھائی	ڪيريتو ڀاءُ
بھانجا	ڀاڻيجو	ساڑو	سَنڍُو
بھانجی	ڀاڻيجي		

پرندوں کے نام

اردو	سندھی	اردو	سندھی
پرندہ	پکي	مَینا	مينا/ڪَبرِ
طوطا	طوطو	مورنی	ڍيلَ
کوا	ڪانءُ	چیل	سِرڻِ
مور	مورُ	بطخ	ٻَدَڪ
عقاب	عُقابُ	گدھ	ڳجهَ
فاختہ	ڳيرو	اُلو	چِبرو
کبوتر	ڪَبُوتَرُ	شتر مُرغ	اُٺُ پکي
کوئل	ڪوئل	مرغا	ڪُڪُڙُ
باز	بازُ	مرغی	ڪُڪِڙِ
تیتر	تِترُ	بگلا	بَگهُ
چڑیا	جهِرڪي	مرغابي	آڙي

جانوروں کے نام

اردو	سندھی	اردو	سندھی
اونٹھ	اُٺُ	بلی	ٻِلي
ہاتھی	هاٿِي	خرگوش	سَهو
شیر	شِينهُن	ہرن	هَرَڻُ
ہرنی	هَرِڻِي	بندر	ڀولِڙو
بھینس	مينهِن	لومڑی	لُومڙِي
گائے	ڳَئُون	گیدڑ	گِدَڙُ
بھیڑ	رِڍَ	چوہا	ڪُئو
بیل	ڍَڳو	گلہری	نورِيئَڙو
بکری	ٻَڪِرِي	سانڈ	پاڏو
کتا	ڪُتو	گھوڑا	گھوڙو
کتی	ڪُتِي	گدہا	گَڏَهُ

سبزیوں کے نام

اردو	سندھی	اردو	سندھی
گوبھی	گوبِي	شلجم	گوگِڙُو
بھنڈی	ڀينڊِي	ٹنڈے	ميها
مولی	مُورِي	لہسن	ٿُومَ
آلو	پَٽاٽو	خرفه	لُوڻَڪ
بینگن	واڱڻُ	مرچ	مِرچَ
پیاز	بَصَرَ	دھنیه	ڌاڻا

گاجر	گَجَرَ	املی	ڪِداموِٽِي
ٹماٹر	ٽَماٽو	پودینہ	ڦُودِنَون
ہلدی	هَيڊَ	ادرک	سُنڍِ

پیشہ وروں کے نام

اردو	سندھی	اردو	سندھی
گلوکار	گَوَيو/ڳائڻو	گڈریا	ريڍارُ
کسان	ڪُڙمِي/هارِي	جوہری	صَرافُ
جولاہا	ڪورِي	چمار	موچِي
تاجر	واپارِي	دھوبی	ڌوٻِي
قصاب	ڪاسائِي	باورچی	بورچِي
ملاح	ملاحُ، خلاصِي	مالی	باغائِي
دودھ والا	کيرَ وارو	کمہار	ڪُنڀارُ
سنار	سونارو	ماہی گیر	مُهاڻو
بڑھئی	واڍو		

شاهُ عبداللطيف ڀِٽائِي

شاهُ عبداللطيف ڀٽائِي، جنهن کي گهڻو ڪري شاهه ڀٽائي يا "ڀٽائي گهوٽ" ڪري سڏيندا آهن، سال ۱۱۰۲ هجري مطابق ۱٦٨٩ عيسوِي، حيدرآباد ضلعي جي هالا تعلقي ۾ هڪ ننڍي ڳوٺ "ڀٽي پور" ۾ ڄائو.

شاهه صاحب جي والد جو نالو حبيب شاهُ هو. شاهه عبدالڪريم بُلڙيءَ وارو سندس ڏاڏو هو. اصل ۾ شاهه صاحب جا وڏا هرات کان لڏي سنڌ ۾ آيا هئا.

شاهُ لطيفُ ننڍي هوندي کان ئي ماٺيڻو، نِويڪلائِي پسند ۽ ڳنڀيرُ هوندو هو. ڪيس ماڻهن جي سيرتَ ۽ ڪردارَ جي مشاهدي ڪرڻَ ۽ قدرتي حُسن کي ڏسڻَ ۽ پرکڻَ جو شوقُ هوندو هو. هو جهرَ جهنگَ، ٻيلَنِ، پهاڙَن، دَريائَنِ ۽ واديُن جا سَيرَ ڪندو رَهندو هو.

جوانِيءَ ۾ هُن لَڳ ڀڳ پوريءَ سنڌ،جَنهِن ۾ لاڙُ، وِچولو، ڪاڇو ۽ اُترَ جا عِلاَئقا شامِلُ آهن، اُنهن سڀِني جو سير ڪيو، ۽ ويندي، جيسلميرَ تائين به وِيو نِڪتو.

اُنهي سَفَرَ دوران ڪيس سَنڌ جي مختلف ماڻهن، ذاتِيُن ۽ قَومُن جي رِيتن رَسمُنِ کي چڱيءَ طرح جانچڻَ ۽ پروڙڻَ جو موقعو مليو. ماڻهن جي غربت، بيوسيءَ ۽ محروميءَ کي هُنَ چڱيءَ طرح محسوس ڪيو، ۽ اُنَ احساسَ کي نهايت ئي دلگداز پيرايي ۾ پنهنجي شعر ۾ جاءِ ڏِنِي. ماڻهن جي ڏُکن سُورن ۽ حقيقِي جذبَن جي پنهنجي شاعريءَ ۾ مؤثر ترجمانيءَ ئِي ڪيس عوامِي شاعرَ جو درجو ڏنو ۽

اِنهيءَ ڪري ئي سندس ڪلامَ خاص ۽ عام جي دلين ۾ جاءِ پيدا ڪَئي.

سندس ڪلامَ ۾ تصوف جي نهايت ئي باريڪ ۽ نفيس نڪتَنِ کي عام فهمَ اندازَ آسان تشبيهُنِ، استعارَنِ ۽ ڪنايَنِ ۾ بيانُ ڪيو ويو آهي. شاهَ صاحبَ جو ڪلامُ انسانِي قدرَنِ ۽ معيارَنِ جو ترجمانُ آهي. مساواتِ، مروتَ، ايثارُ رواداري، بي لوثِي ۽ خدمتَ خلقَ جا اعليٰ قدرُ سندس ڪلام ۾ جا بجا موجود آهن.

تصوفَ جي خاصِ ۽ آخرينِ نصب العينَ جي حوالي سان، خود شناسي، نفس جي پاڪيزگِي ۽ خُدا ترسِي سندس ڪلامَ جو خاص موضوعُ آهي. شاهَ صاحبَ پنهنجي ڪلامَ ۾ سنڌ جي مشهور عوامي قصنِ ۽ ڪهاڻيُنِ، جهَڙوڪِ عمر مارئيءَ، سسئي پنهونءَ، مومل راڻي، لِيلا چَنيسرَ، سُهڻِي ميهارَ ۽ سورٺِ راءِ ڏياچَ کي اوتَ بَنائي، حُبَ وطنَ، اخلاقَ انسانِي، تصوفَ ۽ وَحْدَةُ الْوُجُود جا نڪتا بيان ڪيا آهن.

سندس ڪلامَ ۾ اُهي سڀ شاعرانيُون وصفُون ۽ اعليٰ اُهڃاڻَ موجودُ آهن، جيڪي ڪنهن بہ شاعر کي آفاقِي شاعرَ جو درجو ڏيَنِ ٿيوُن. شاهہ صاحب جو ڪلامُ نهايت بليغ، فصيح ۽ سليس انداز جو حامل آهي.

سندس ڪلام سنڌي شاعريءَ جي قديم ۽ عام صنفَ سخنَ- وائيءَ، دوهي ۽ بيتَ جي هيئتَ ۾ آهي.

سندس ڪلام کي سنڌ کان ٻاهر بلوچستان ۽ پنجاب ۾ بہ عارفانہ ڪلام جي حيثيت ۾ ڳايو وڄايو ويندو آهي.

سندس رسالو ٣٢ سُرن/ بابن تي مشتملُ آهي، جنهن ۾ ٥٠٠٠ (پنج هزارَ) کنُ بيتَ دَرِجُ آهن.

سندس ڪلامَ جي نہ رڳو سنڌ جي مشهور عالمن ۽ محققن جهڙوڪ مرزا قليچ بيگ، ڊاڪٽر گربخشاڻيءَ، ڊاڪٽر دائود پوٽي، علامہ آءِ آءِ قاضيءَ ۽ ڊاڪٽر نبي بخش خان بلوچ تحقيقَ ۽ تشريحَ ڪئي آهي، بلڪ جڳ مشهور لسانِي ماهرن ڊاڪٽر ٽرمپ، سورلي ۽ انميري شملَ بہ لطيف جي ڪلام جي شرح ڪئي آهي ۽ کيس خراج عقيدتَ پيش ڪيو آهي. ڊاڪٽر سورلي تہ کيس دنيا جي وڏن شاعرن ۾ سڀ کان وڏو شاعرُ ڪري مَڃيو آهي.

سندس ڪلامَ جو شعري صورتَ ۾ مڪمل اردو ترجمو سنڌ جي مشهور شاعر شيخ اياز ڪيو آهي ۽ ٻُنهِ ٻِنِ جلدن ۾ اردو نثري ترجمو پاڪستان اڪيڊمي آف ليٽرس جي سهاري هيٺ تازو شايع ٿيلُ موجود آهي.

اُردوءَ کان علاوه دنيا جي ٻين وَڏين ترقي يافتہ ٻولين جهڙوڪ انگريزي، جرمني، فرينچ ۽ فارسي وغيره ۾ بہ اُن جو ترجمو ٿيو آهي.

شاهُ لطيفُ، هر صوفي مَنُش بزرگ ۽ وليَ اللهَ وانگُر ڪنهن بہ متَ ڀيدَ جو قائلُ نہَ هو.

هُو هندن توڙي مسلمانن جي وَڏَنِ بزرگن ۽ رهنمائن جي عزتَ ۽ احترامَ جو قائلُ هو. هُو سُني، شيعي وغيره جي فِرقَنِ مان ڪنهن جو بہ طرفدارُ نہ هو.

شاهَ صاحبَ جوانيءَ ۾ شادِي ڪئي، جَنهِن مان ڪيسِ اولادُ

ڪونہ ٿيو. لطيفَ ٦٣ ورهين جي ڄمارَ ۾ ١٤ صفر ١١٦٥ هجريءَ ۾ هن دنيا کان لاڏاڻو ڪيو. اُن تاريخ تي هرَ سالِ ڀِٽ شاهہ تي سندس عرسُ ملهايو ويندو آهي.

وفات کان اڳ پنهنجي مريدنِ کي چيائون تہ هو سندس ڪلام ڳائڻ شروع ڪن ۽ پاڻ پنهنجي حجري ۾ وڃي چادر اوڍي ليٽي پيو. مريدن، سڄي رات ڪلام ڳائڻ کان پوءِ، صبح جو، وڃي ڏٺو تہ سندس روحَ پرواز ڪري چُڪو هو.

شاهہ صاحبُ موسيقيءَ جو وڏو ڄاڻو ۽ اُن جو دلداده هو. يڪتارو سندس ئي ايجاد آهي، جيڪو پاڻ وڄائيندو بہ هو. ڪلامُ چوڻ ۽ ٻڌڻ مهل مٿس وجد واري ڪيفيت طاري ٿيندي هُئي.

سَچَلُ سَر مَستْ

اَڳوڻي رياست خيرپور ۾، راڻي پور ريلوي اسٽيشن کان ميلُ کن پري، درازا نالي هڪُ ننڍڙو شهرُ آهي، جنهن جي ٻاهران ئي سچلَ فقيرَ جو روضو آهي. سچلَ فقيرَ جو اصلُ نالو عبدالوهابُ آهي. سَچوُ، سَچيڊِنو ۽ سَچَلُ، بطور تخلص، به استعمالُ ڪيا اٿس، ۽ اڳتي هلي، اِهي لفظَ سندس اسمَ ثانيءَ طورَ مشهور ٿيا.

هَر صوفي سچائيءَ جو مبلغُ ۽ پرستارُ هوندو آهي. مگر جنهن بيباڪيءَ ۽ صاف گوئيءَ سان سَچَ جو پرچارُ پنهنجي شعرَ ۾ توڙي ڪردارَ ۾ سچلَ سرمستَ ڪيو آهي، اُها سندس انفرادي صفتَ آهي. حَقَ جي ڪلمي چوڻ ۽ اُنَ تي قائمُ رهڻَ جا جيڪي انداز سچلَ آزمايا، اُنهن جي طفيل ڪيس "منصورُ ثاني" به سڏجي ٿو. سچل ١٧٥٧ عيسويءَ ۾ ڄائو، مگر ڪن محققن جي تحقيقَ موجب سندس سن ولادت ١٧٣٩ عيسوي آهي. پاڻ ١٨٢٩ عيسويءَ ۾ نَوي وَرهين جي وڏيءَ ڄمارَ ۾ وفات ڪيائين. سندس والدَ جو نالو ميان صلاح الدين هو. سندس ڏاڏي جو نالو عبدالوهاب هو، جنهن کي صاحبڏنو به سڏيندا هئا.

سچل جا وڏا اصل فاروقي هُئا، يعني سندن نَسَبُ حضرتَ عمرَ فاروقَ رضہ سان وڃي ملي ٿو. سندن وڏو، شهاب الدين، محمد بن قاسم سان گڏجي سنڌ ۾ آيو هو.

سَچوُ ننڍي هوندي کان ئي هڪُ غير معمولي ٻارُ هو. هُن پنهنجي دور جي تعليمي ۽ تدريسي روايتن مطابق چڱو علمُ پرايو،

مگر سندس شهرتَ باطنِي علمَ يا روحانِي علمَ جي ڪري ٿي، جنهن جو اظهارُ هُن جي عارفانہ ڪلام ۾ موجود آهي. پاڻ ڪافي ٻولين ۾ دسترس حاصل ڪيائين، جنهن جو اندازو بہ سندس دستياب ڪلامَ مان ٿئي ٿو. سنڌي، هندِي، اُردُو، فارسِي ۽ سرائڪِي ٻولين ۾ سندس ڪلام جو ذخيرو موجود آهي. ڪلهوڙن ۽ ميرَنِ ٻنهين جي دورَ حڪومتَ ۾ سچل سرمستَ حياتيءَ جا ڏينهَن گذاريا.

خيرپور جو والِي، مير علي مُراد، سندس معتقدُ هو. سندس فارسِي ديوانُ، "ديوان آشڪار"، بہ مير علي مراد ٽيائي پنهنجي ذاتي ڪتُبُ خاني ۾ تبرڪَ طور رکرايو هو. اِنهي شعرِي مجموعي ۾ سچلَ پنهنجي تخلصَ کي "آشڪار" ڪري استعمال ڪيو آهي. سچل پنهنجي چاچي عبدالحق جي نگرانيءَ ۾ ظاهرِي ۽ باطنِي تربيتَ جا مرحلا طئي ڪيا.

هِن بزرگ جي ڪلام جي خاص صفت سندس عشقيہ اظهارَ جي فراوانِي ۽ روانِيءِمصلحتَ کان مبرا صداقتَ آهي، سِيني صُوفين وانگر عقلَ جي مقابلي ۾ عشقيہ جذبي کي سچلَ بہ ترجيحَ ڏني آهي. مگر هِنَ مرد مجاهدَ جي بيان جو انداز بي ساختگِيءَ ۽ دليريءَ جي صفتن ڪري نرالو ۽ بيحد اثرائتو آهي.

مخدومِي مجذوبِي ڪڏهانَ گَڏُ نہ ٿيوَنِ
عشق عقل دي راهہ نرالي، هڪبئي نُون ڪِينَ مَنيسَن.

---------- ----------

عشقُ لڳيئي، تان ڪر آمين

نا منجهہ ڪفر، نا منجهہ دين.

هِنن عارفن لاءِ عشقيہ جذبو ئي اهڙي ذاتِ آهي، جيڪا رب تائين رسائيءَ جو مستند ۽ مضبوطُ ذريعو آهي. هِنن وٽ ڪفرَ ۽ دين جُون معنائُون رسمي ۽ اسمي معنائن کان مختلف آهن، اِهي استعارا آهن ۽ سندن مخصوص زاويہ نظر جا ترجمان آهن.

شرعَ دينَ ۽ فقہ وغيره جي حوالن سان هِنن جي ڪلام ۾ جيڪا جَرَحَ نظر اچي ٿي، اُها رياڪاريءَ، منافقيءَ، سڪٽائيءَ ۽ سطحي ادائگيءَ خلاف آهي، ۽ نہ ڪہ اصل دينَ ۽ اُن جي روحَ خلاف. هِنن جي طرفان سَدِّرِيَنِ ۽ رياڪارَنِ جي "عبادتن" خلاف اِهو هڪڙو احتجاجَ جو اندازُ آهي.

قاضِي ساڙ ڪتابان ڪُون، هُڻ مرشد ايوين فرمايا
آپ سجاڻ تہ تون ڪي آهين "عرف نفسہ" پُرجهايا
سچو راهہ ڪفر دا سانُون مرشد آپ بتايا.

اِهڙيءَ طرح اِتي ۽ اِهڙين ٻين جاين تي ڪفر جو اصطلاحُ رياڪاريءَ، مڪاريءَ، مذهبي دڪانداريءَ ۽ دين فروشيءَ جهڙن ڪُڌَنِ ڪردارن جو ڪفرُ/انڪارُ آهي، نہ ڪہ اصل دينَ ۽ دينِي بصيرت کان ڪفر - جيئن چوي ٿو تہ:

مسجد وچ ڪاڻ ٽُڪر ڏيونِ بانگ صلواتان
عالم ليکي روزي رکندي، نت ڪاوَڻ ديان آفاتان
سَچُو راهہ نہ اها سچ دِي، بره واليان بيان باتان

ڪيترائي بزرگَ اصل ۾ لالچ ۽ حرص هوس ۽ ذاتي غرض لاءِ مذهب کي استعمال ڪرڻ وارن جا مخالف رهيا آهن.

سچ جي برملا اظهار ۾ هو سڀني کان سرسُ ۽ اڳرو هو.

سچ تا مَرد چونَ، ڪنهن ڪي وڻي نہ وڻي،
ڪُوڙيَ دوستيءَ جو دمُ ڀڻي نہ ڀڻي!

بهرحال سچل سرمست انهيءَ لحاظ کان واقعي سرمست هو. هو ظاهرداريُن ۽ ظاهر پرستيُن جي هنگامن کي ظاهر ظهور ننديندو هو. ماڻهن جي سَکڻائيِن ۽ وَاڄِٽَنِ تي سَڌيءَ جرح ڪندو هو، ۽ اُنهن کي ڪِينَ بخشيندو هو، جيڪي "اَندرَ ۾ آذرَ ۽ مُنهَنَ ۾ مسلمانُ" بڻيا، خلق خدا کي ڀَٽڪائيندا رَهندا هئا.

سچل سرمست جو ڪلام پنهنجي همعصرن جي ڪلام کان مقدار ۾ ۽ تَنوّعَ ۾ سرسُ آهي.

پاڻَ بيتَ، وائِيءَ ۽ ڪافِيءَ کان سواءِ غزلَ، نظمَ، رباعِيءَ، مسدس، سِي حرفيءَ وَغيره جي صنفن ۾ بہ طبع آزمائي ڪئي اٿس.

سچلَ جو سَنيهو، سچلَ جي سيرتَ، سچلَ جوُ نظريو، اِنهنِ ٽنهين پهلوئن ۾ هڪڙي اهڙي هم آهنگيَ موجود آهي، جيڪا هڪڙي راست گو، نيڪ نيتِ،پرهيز گار ۽ اوچي آدرِشَ واري اولالعزم انسانَ ۾ هُئڻ جڳائي.

سُچُوءَ کي سچَ سان، سچَ جي پرچار سان ايتري گهاٽي نسبتَ هُئي، جيڪا اڄ بہ اسان لاءِ هڪڙي مشعلَ راهہ آهي ۽ اسان لاءِ نصب العينَ جو درجو رکيو بيٺي آهي.

مرزا قليچ بيگ

سنڌي زبانَ جي خدمتَ ۽ اُن کي ڪثير النوع موضوعن ۽ مضمونن سان مالامال ڪرڻَ جو اُتساهُ جيترو اسان جيءَ هن مردِ مومنَ کي هو، مشڪلَ سان سنڌ جو ڪو عالِمُ ۽ محققُ اُنَ سان ٻَرُ ميچي سگهي.

اِها اَنوکِي حقيقتَ آهي ته جيتوڻيڪ مرزا صاحبُ سنڌ جي ڪنهن قديمَ خاندانَ جو فرد نه هو، اُن جي باوجودُ سنڌي زبانَ جي ڪشش ۽ اُن جي حسنَ هُن کي ايترو ته موهيو، جو رِوينيو کاتي جي ڏِگهيءَ ملازمتَ جي باوجود نهايت پابنديءَ سان روزانو وقت ڪڍِي، سنڌِي ٻوليءَ ۾ ڪجهه نه ڪجهه لکڻُ سندس فرائض ۾ شمار ٿِي ويو هو.

مرزا صاحبَ جو والدُ مرزا فريدون بيگُ ننڍيءَ عمر ۾ جارجيا کان هِتِ سنڌُ ۾ پهتو، پاڻَ شروعَ ۾ پنهنجن اَبن ڏاڏن جي مذهب عيسائيتَ جو پيرو هو. ميرن جي دورِ حڪومتَ ۾ ميرُ ڪرم علي خان کي مرزا فريدون بيگ جي پانهن ملي، جنهن جي صحبت ۾ هو مسلمان ٿيو. سندس پهريون نالو سِدِني هو. مرزا قِليچُ بيگُ سندسِ ٽِيون نمبر فرزندُ هو.

مرزا قليچ بيگَ شروعاتي تعليمَ سنڌ جي روايتي مڪتبن ۾ حاصلُ ڪئي، جتي وقت جي رواج موجب سنڌيءَ سان گڏ فارسيءَ جي تعليم به حاصل ڪيائين. پاڻ ايترو ته زيرڪُ ۽ فهيمُ هو، جو اڃا ڇهين ڪلاسَ ۾ هو ته هاءِ اسڪولَ ۾ "پرشن ٽيچرُ" مقررُ ڪيو

ويو. ١٨٧٢ عيسويءَ ۾ مئٽرڪ جو امتحانُ پاسِ ڪري، بمبئيءَ جي ايلفنسٽن ڪاليج ۾ بي -اي جي ڊگري وٺڻ ويو، ۽ اُتي به ڪاليج ۾ فارسيءَ جو فيلو ٿي ڪَمُ ڪيائين. ڪِنِ سَبَبَنِ جي ڪري بي -اي جي ڊگري حاصل ڪرڻ کان اڳ ئي پاڻَ حيدرآباد موٽي آيو ۽ عدالتَ ڪاتي جو امتحان پاس ڪري ضلعي شڪارپورِ ۾ مختيارڪارُ مقرر ٿيو،۽ ترقي ڪندي، ڊپٽي ڪليڪٽرَ جو عهدو ماڻيائين، جتان پوءِ رِٽايَر ڪيائين. مرزا صاحب عربي، فارسي، انگريزي ۽ ترڪي زبانن ۾ خاصي مهارت رکندو هو.

پاڻَ سڄي زندگِي هڪڙي نِيمَ ۽ ٽائيم ٽيبل مطابق گذاريائين: لکڻَ جو ٽائيم، پڙهڻَ جو ٽائيم، ڪاڻڻَ جو ٽائيم، ننڊ ۽ ننڊ مان اٿڻ جو ٽائيم، تفريح/ وِندُرَ جو ٽائيم، وغيره. پاڻ اُنهن مقرر وقتن جو سختيءَ سان پابَندُ رهيو.

پورا ٽيهہ سال سرڪاري ملازمت ڪيائين ۽ ملازمت ڪندي به سنڌي ٻوليءَ لاءِ محبت ۽ محنت سان ڪم ڪرڻ ۾ ناغو نہ وڌائين، روزانو به صفحا ئي سَهي پر ضرور لکڻ ۾ صرف ڪيائين.

وٽس ڪافي ناياب ڪتابن جي ذاتِي لَئبرَرِي هُئي. پينشن تي لهڻ کان پوءِ سارو وقتُ تصنيفَ ۽ تاليفَ ۾ مصروفُ رهيو. سندس حياتيءَ ۾ ئي سندس ڪتاب ڇپيا ۽ مقبولُ ٿيا.

مرزا صاحبَ لڳ ڀڳ ساڍاچار سَو ڪتاب سنڌيءَ ۾ تاليف ڪيا، جن ۾ گهڻو تعداد ترجمَن جو آهي. جنهن به موضوع ۾ ڏسندو هو تہ سنڌيءَ ۾ اڃا لکيل موادُ ڪونہ آهي، تہ هڪدم اُن موضوع تي ڪتاب هٿ ڪري، اُن جي سنڌي ترجمي ڪي لڳي

ويندو هو. اِنهيءَ حَدَ تائين، جو اقتصاديات، نفسيات، ناول، ڊراما، افسانہ نويسيءَ، شاعريءَ ويندي باغبانيءَ جهڙن موضوعن تي بہ سنڌيءَ ۾ سَندَسِ ڪتاب ترجمو ٿيل آهن. اجا بہ سندس ٻہ سو کن ڪتاب دستخط صورت ۾ موجود آهن، جيڪي اڻ ڇپيلَ آهن.

مرزا صاحب نهايت نيڪ نيتُ ۽ نيڪ سيرتَ انسانُ هو. سڄي عمرِ ايمانداريءَ سان پنهنجا فرض نباهيائين. سرڪاري توڙي خانگي زندگيءَ ۾ ڪنهن کي ڪونہ ڏکويائين. سندس طبعيتَ ملنساريءَ، خوش اخلاقيءَ، سنجيدگيءَ ۽ محنت ۽ مشقت جو هڪڙو مثالي نمونو هُئي. پاڻ صوم و صلوات ۽ ٻين مذهبي ادائگين جو بہ بيحد پابند هو. صوفي مَنُشُ انسانُ هو. فرقيواريت کان پرهيز ڪندو هو.

پاڻ شاعريءَ ۾ بہ طبع آزمائي ڪئي اٿس. سندس علمي ۽ اَدبِي خدمتن جي اعترافَ ۾ سرڪار کيس "شمس العلماءَ" جو خطاب ڏنوءِ خلعت بہ عطا ٿيس.

مرزا صاحب جون هڪڙيون انوکيون رومانوي مصروفيتون بہ هيون. ڇا ڪيائين،جو گَهرَ جي هڪڙي وڻ تي هڪڙو اهڙو آکيرو ٺهرايائين،جنهن ۾ پاڻ وڃي بہ چار گهڙيون صبح سويري ويهي رهندو هو، ۽ پکين جون لاتيون ٻڌي دل کي سُرور بخشيندو هو. پنهنجي جيئري،هڪڙي قبَرَ ٺهرائي ڇڏي هُئائين، جنهن جي ساميءَ ۾ بہ وڃِي گهڙِي کَنُ ليٽِي پَوَندو هو، موتَ کي يادِ رکندو هو ۽ اُن جي آجيان لاءِ پاڻ کي سدائين تَيارُ رکندو هو. مرزا صاحب ٽي شاديون ڪيون، جن مان کيس ٻارهن فرزند تولَدُ ٿيا. اُنهن جي تربيتَ بہ وڏيءَ

اونءَ ۾ ذميداريءَ سان ڪيائين، ۽ اُهي به وڏا ٿي علم و ادب جا شائق بنيا، سرڪاري نوڪريون به ڪيائون ته سنڌي زبان ۽ ادب جي به خدمت ڪيائون. انهن ۾ شاعر به ٿيا، محقق به ٿيا ۽ مُقَرَرَ به ٿيا.

مرزا صاحب ۷۴ ورهين جي ڄمار ۾ ۳ جولاءِ ۱۹۲۹ عيسويءَ ۾ حيدرآباد شهر ۾ وفات ڪئي.

علامہ آءِ آءِ قاضِي

اِمداد علي ولد اِمام علي قاضِي پورو نالو آهي اُن شخصَ جو، جيڪو ”آءِ آءِ قاضيءَ“ جي نالي سان مشهور ٿيو.

قاضي صاحبُ سنہ ١٨٨٦ع عيسويءَ ۾ ڄائو. سَنڌَسِ وَڏا اصلِ ”پاٽ“ جا رهاڪُو هُئا، جيڪو دادو ضلعي جو هڪڙو ڳوٺُ آهي، جنهن جي خصوصيتَ اِها آهي تہ پنجاھہ سالَ اَڳُ جَڏهن پوري سنڌ صوبي جي شَرَحِ خواندگِي ٢٥ سيڪڙو مَسَ هُئي، تہ پاٽ جهڙي ننڍي ڳوٺ جا ٨٠ سيڪڙو ماڻهو پڙهيلَ هُئا.

قاضي صاحبَ ابتدائي تعليمَ حيدرآباد شهرَ ۾ حاصل ڪئي، مئٽرڪ پاس ڪرڻ کان پوءِ کين انگلنڊ وَڃي پڙهڻَ جو موقعو مِليو، جتان بئريسٽريءَ جو امتحانُ پاس ڪيائون. اُنَ ڏگري حاصل ڪرڻ کان پوءِ پاڻ جڏهن ملڪِ موٽيا، تہ روزگار جي سلسلي ۾ خيرپور ۾ جج طور مقرر ٿيا، مگر جلدُ ئي اُها سروسِ ڇڏي ڏنائون. سببُ اِهو ٻڌايائون تہ نوڪريءَ دوران وڏن ماڻهُنِ جي روايتي مداخلتَ ۽ بيجا سفارشُنِ کين ڏاڍو دل برداشتہ ۽ پريشان ڪري وِڌو هو.

قاضي صاحبَ جن شروع کان ئي هڪَ سچي انسانَ ۽ مڪمل مسلمانَ جو آدرشُ پنهنجي آڏو رکي زندگيءَ جو سفر شروع ڪيو. پاڻَ گڏوگڏ پنهنجي آدرشَ جي اصولنِ ۽ تفصيلن کي پَليءَ پَتِ پَرُوڙڻَ لاءِ عِلم ۽ شعورَ جي روشنيءَ جا ڳولائو رهيا، ۽ ٻنان ڪنهن روايتي ڊگريءَ ۽ سَنَدَ حاصل ڪرڻ جي پنهنجي مطالعي کي لڳاتار جاري رکيو. مطالعي جي شوقِ کين ڏيساورَ جا ڪيترا ڦيرا دورا

ڪرايا. پاڻ اِن لحاظَ کان يورپَ جي ملڪنِ،انگلنڊ، فرانسَ ۽ جرمنيءَ ۾ قيام ڪيو، ۽ اُتان جي درسگاهن جي مکيہ دانشورن، پروفيسرن ۽ استادن جي صحبتَ خالص علمَ حاصل ڪرڻَ لاءِ اختيارُ ڪئي.

مصرَ ۾ الازهر يونيورسٽيءَ ۾، بہ عربي پڙهڻَ ۽ پَرُوڙڻَ جي خيالَ کان ڪُجهہُ وقتُ تَرسيا. ڪين انگريزي، سنڌي ۽ اردو زبانُنِ سان گَڏوگڏُ عربي، فارسي، جرمن ۽ فرينچ زبانَ تي بہ ملڪو حاصل هو.

جڏهن بہ وطنِ واپس ورندا هئا، تہ نوجوانن کي گڏ ڪري سنڌن ذهني، اخلاقي ۽ روحاني تربيت لاءِ ڪينِ ليڪچرَ ڏيڻ جو سلسلو جاري رکندا هُئا.

اِنهيءَ خيالَ کان ١٩٣٥ع کان ١٩٤٥ع تائين مسلم ڪاليج هاسٽل ڪراچيءَ ۾ خطباتِ جو سلسلو شروع ڪيائون ۽ اُن وقتَ جي زير تربيتَ شاگردن ڪانئنِ سُنو فيضُ حاصل ڪيو.

جڏهن سنڌ يونيورسٽي نهي، تہ سنڌ حڪومتَ ڪين اُن اداري جي سَربَراهيءَ لاءِ مِنَتَ ڪئي، جا پاڻَ قبولُ ڪيائون ۽ وڏيءَ جانفشانيءَ، ديانتَ ۽ محنتَ سان اداري جي ترقيءَ ۽ سَر بلنديءَ لاءِ راتِ ڏينهِن ڪمُ ڪيائون.

يونيورسٽيءَ ۾ ڪمُ ڪَندڙَ پوري عملي لاءِ پاڻَ هڪڙو مثالي ڪردارُ ادا ڪيائون. پٽيوالي کان وٺي رجسٽرار تائين، لئبريرينِ، ليڪچرارن ۽ پروفيسرن سيني لاءِ پاڻَ مقبول ۽ محبوب شخصيتَ بَنيا رهيا. سندن سيرتَ جا سيئي پهلو سندن مقرر ڪيل آدرشن ۽

اصولن سان هم آهنگ رهيا.

پاڻ وقت جا نهايت پابند هئا، ۽ ڪنهن به شخص طرفان وقت جي زيان کي برداشت نه ڪندا هئا. ڪنهن تقريب ۾ جڏهن اُن دور جو مرڪزي وزير مقرر وقت کان ڪُجهه دير ڪري آيو ته پاڻ کيس به بخش نه ڪيائون ۽ ڀريءَ محفل ۾ کيس چيائون ته وزير صاحب کي خبر هُئڻ گهرجي ته وقت ۽ وزارت ٻئي ونس امانتون آهن، اُنهن ۾ خيانت ڪبيرو گناهه آهي. ڪوبه وڏو عُهدو ڪنهن کي ماڻهن تي رعب جمائڻ لاءِ نٿو ڏنو وڃي.

يونيورسٽيءَ جي استادن ۽ شاگردن ۾ فڪري جامعيت پيدا ڪرڻ لاءِ، ايڪسٽينشن ليڪچرن جو سلسلو شروع ڪيائون، ۽ ڪن سالن تائين اُهو عمل جاري رهيو. پاڻ اُنهن تقريري سلسلن جي صدارت ڪندا هئا ۽ سندن صدارتي خطبا نهايت جامعيت جو مظهر هئا.

انگلينڊ ۾ قيام دوران پاڻ اُتان جي مسلمانن کي دين جي بصيرت ڏيڻ لاءِ به بنان معاوضي هڪڙو تبليغي سلسلو شروع ڪيو هُئائون، جنهن کان مختلف ملڪن کان تعليم لاءِ آيل مسلمان شاگرد ڪافي فيضياب ٿيا.

مصر جي حڪومت کين ڇگو خاصو وظيفو آڇيو ته پاڻ وڃي مصر ۾ حڪومت جي طرفان ڪنهن اداري ۾ علمي ڪم ڪن، مگر تبليغ جي ڪم کي آڏ ۾ جڏي، اوڏانهن وڃڻ سندن اصول جي خلاف هو، جنهنڪري پاڻ اُها آڇ قبول نه ڪيائون.

برطانيه جي جڳ مشهور دانشور ۽ ڊرامه نگار برنارڊشا هڪڙو

ڪتابُ (بلئڪ گرل اِن سَرچ آف گاڊ) "ڪاري ڇوڪري خدا جي تلاش ۾ لکيو، جنهن ۾ نظريي توحيدَ ۽ خُدا جي وجودَ متعلق تشڪيڪ ۽ طنز سمايل هُئي.

پاڻَ اُن جي جواب ۾ (براڻون گرلِ ان سرچ آف گاڊ) "ڀوري ڇوڪري خُدا جي تلاش ۾" ڪتاب لکيائون، جنهن ۾ نظريي توحيد ۽ مذهبي فڪرَ جي ارتقا تي نهايت خوبصورت پيرايي ۾ شَرَحَ بيان ڪيائون ۽ خُدا جي وجود جي اقرارَ ۽ اثباتَ تي مُدَلّلُ بحثُ ڪيائون.

قاضي صاحبَ پنهنجي پوري زندگي سَچَ، سُرتِ ۽ سُونهَن جي تلاش لاءِ وقفُ ڪئي هُئي، ۽ سندن ئي چوڻ مطابق، پاڻَ اُنهن سَچائُنِ جي سوادَ کان آشنا ٿيندا رهيا ۽ منزلون طئي ڪندا رهيا.

يونيورسٽيءَ جي علحدگيءَ کان پوءِ گهڻو ڪري پاڻ پنهنجي گهرَ ۾ مطالعي، مراقبي ۽ محاسبي وارين وارداتن ۾ مصروفُ رهندا هئا، جيڪي سندن مُعتقِدَ هُئا، اُهي گاهي ماهي سندن جاءِ تي وڃي ڪائن فيضُ حاصل ڪندا هُئا.

پاڻ هڪڙو نيو ڪتاب ("ڪيمُوئَل پيپس آئٽ سوفيا") "دانش جُون اوچتيون جهلڪُون" به لکيائون جنهن ۾ سندن علم ۽ دانش جو نِچوڙُ موجود آهي، ۽ علم جي طالبن لاءِ هڪُ بيش بها تحفو آهي. قاضي صاحبَ نه ڪڏهن ڪنهن جي خوشامدِ ڪئي، نه پنهنجي ذاتي غرضَ لاءِ ڪنهن جي ڪاڻِ ڪڍي، نه ڪڏهن مال متاع ميڙڻ جو سوچيو، ۽ نه دنيا جي ڪنهن رتبي، شهرتَ ۽ مصنوعي عزتَ لاءِ ڪڏهن ڪو ارادو ئي ڪيو. هن الله لوڪ، جديد ۽ قديم علومَ جي ڄاڻوءَ، اپريل ١٩٦٨ع ۾ لاڏاڻو ڪيو.

خواجا غلام فريد

خواجا غلام فريد هڪُ اَهڙو نانءُ آهي، جو نہ رُڳو پنجابَ پر سنڌُ ۾ بہ شاھہ لطيفَ ۽ سچلَ سَر مستَ جي نالن سان گڏوگڏُ وڏي احترامَ ۽ محبتَ سان ورتو ويندو آهي. پنجابُ ۽ سنڌُ صدين کان پنهنجي روحاني اوسَرِ ۽ اخلاقي همہ آهنگيءَ ۾ هڪٻئي سان قريبُ رهيا آهن. هِن پُوري ننڍي کَنڊَ جا اخلاقي،روحاني ۽ جذباتي قَدُرَ مُشترڪُ رهيا آهن، جنهن جو اهم ڪارڻُ هِن خِطي جا اهل دل بزرگَ ۽ صوفي رهنما آهن. سچو نقطو اشتراڪ انسانيت جو هڪڙوئي آهي. يعني (١) "خود شناسِي" ۽ "خدا شناسِيءَ" جي عظيمترين آدرشَ کي ماڻَڻَ لاءِ نفسَ جي پاڪيزگي ۽ صفائي،۽ (٢) انساني "خوديءَ" جا جيڪي بہ مُهلِڪَ مرضَ آهن جيڪي ڪيس مٿئين آدرشَ ۽ نصب العينَ ڏانهن وڌڻَ ۾ رَنڊَڪُون ۽ رڪاوٽون وجهن ٿا، اُنهن جو صحيح عَلاجُ. اُنهن مرضن مان چند خطرناڪ مرضَ آهن حَسَدُ، تَعصّبُ، خود غرضي ۽ نفاقُ. اِنهن کان نجات لاءِ جنهن جُهدَ ۽ جهادَ جي ضرورتَ آهي. اُن جي طريقي ڪارِ ۽ تربيتَ لاءِ اسان جي هِنن صُوفين ۽ الله لوڪن وٽ عجيب نسخا آهن، جي جيڪڏهن آزمايا وڃن ۽ نيڪ نيتيءَ ۽ خلوصَ سان اُنهن تي عمل پيرا ٿجي، تہ انسان جو وجود هڪُ نِرويو، نِبارُ، سالم ۽ صحتمند وجود بنجي پوي ٿو ۽ بَشَرَ مان وحشانيتَ، بربريتَ ڪينہ پروري ۽ بدخواهيءَ جا خونخوار اوصافَ خَتَمُ ٿي وڃن ٿا، ۽ تَنِ جي جاءِ تي اعليٰ انساني گڻَ، مثلاً امن پسندي، رواداري، انسان دوستي، درد مندي، قرباني،اخوت ۽

مساواتِ سگهارا بنجي، انساني معاشري کي صحيح سِمتَ ۾ سَفَرَ ڪرڻَ ۽ پنهنجي اعليٰ نصب العينَ تي رسڻ ۾ مددگار ثابت تي سگهن ٿا. تہ اهڙو آهي تاثير هِنن اعليٰ هستيُن جي صحبت جو، سندن ڪلام ۽ پيامَ جو. انسان کي هر دور ۾ هر هَنڌ اِنهن صفتن ۽ گُڻَن کي سَنڀالڻَ ۽ اِنهن جي حفاظتَ جي ضرورت آهي۽ اِنهيءَ پيغام کي وري وري نسل در نسل منتقل ڪرڻ جي ضرورت آهي. اِهو اُهو نصابُ آهي، جنهن کي سنڌ ۾ لطيف، سچل، شاهہ عنايت، بيدل ۽ بُيَدلَ ۽ ٻين ڪيترن بزرگن ۽ پنجاب ۾ بابا فريد گنج شڪر، بُلهي شاهہ، وارث شاهہ،سلطان باهُو ۽ خواجہ غلام فريدَ جهڙن آفاقي شخصيتن،پنهنجي ڪردار، سيرت، ملفوظات ۽ شعرَ ۾ محفوظ ڪيو آهي. اِنهنِ مان فيض حاصل ڪري، صحيح انسانُ بنجڻُ اسان جي ذميواري آهي.

خواجا غلام فريدَ جي سرائڪي، سنڌي، هندي دوهن ۽ ڪافين جيترو پنجاب جي ماڻهو کي موهيو آهي، اوترويئي سنڌ جي سرزمين تي وسندڙ آباديءَ جي هَرَ طبقي کي.

هِي نامور شاعر ۽ باڪمال صوفي ١٢٦١هجري ۾ ڪوٽ مٺڻ جي ڀلاريءَ سرزمين ۾ ڄائو. سندس پورو نالو خواجا غلام فريدالدين آهي.

مولوي رڪن الدين "جامع ملفوظات" ۾ سندن تاريخ پيدائش ٢٦ ذوالقعد ١٢٦١ھ ڄاڻائي آهي. سندن والدَ جو نالو مولانا محمد بخشُ هو. سندن سلسلو نَسَبُ حضرت عمر فاروق رضہ سان وڃي ملي ٿو.

سندن خاندانَ جو هِڪُ فردُ يحيٰ بن مالڪُ، عرب مسلمانن جي لشڪر سان سنڌ ڪان ٿيندو، منگلوٽ ضلعي ملتان ۾ اچي قيام پذير ٿيو ۽ اُتان وري يارا والِي، ضلعي مظفر ڳڙهہ ۾ آيو. اهڙيءَ طرح هِن گهراڻي عرب ڪان سنڌ، سنڌ ڪان ملتان، مظفر ڳڙهہ ۽ چاچڙان مان ٿيندي، آخر اچي مٺڻ ڪوٽَ، ضلعي ديره غازي خان، ۾ سُڪُونَتَ اختيار ڪئي. مولانا محمد بخش کي ٻہ پٽ ٿيا، هڪ جو نالو غلام فخرالدين ۽ ٻئي جو غلام فريدالدين رکيائين. خواجا غلام فريد اٺن سالن جي عمر ۾ قرآن پاڪ حِفظُ ڪري ورتو. سندن والدَ جي وفات تي وڏو پٽ مولانا فخرالدين سجاده نشين ٿيو ۽ اسان جي شاعرَ فريدَ ١۴ سالن جي عمر ۾ پنهنجي ڀاءُ جي هٿ تي بيعتَ ڪِئي ۽ پاڻ ١٦ سالن جي عمر ۾ ايندي ظاهري ۽ باطني علمن جا اهم اسرارَ حاصل ڪري ورتا.

خواجا غلام فريد پنهنجي ڪافين ۾ پنهنجي ڀاءُ ۽ مرشد فخرالدين کي جابجا "فخر جهان" ڪري لکيو آهي.

١٢٨٨هہ ۾ پنهنجي ڀاءُ ۽ مرشد جي وفات وقت خواجا غلام فريدُ ٢٨ سالن جيَ عمر ۾ اُن جي جاءِ تي سجاده نشين ٿيو. ١٨٢٩هجريءَ ۾ خواجا صاحبُ حج بيت الله جي ارادي سان ملتانَ، لاهورَ، دهليءَ مان ٿيندو اجمير شريف پهتو، جتي سندس دستارَ بَندِي ٿِي، جتان پوءِ پاڻ حج تي هليو ويو. سندس ديوان ڪافين تي مشتمل آهي. سندن ڪلام نهايت سوز ۽ بيقراريءَ وارو آهي.

”روهيءَ“ جي قدرتي نظارن سان جِهڙوڪَرَ سندن عشقُ هو.
سندن وفات ٦ ربيع الثاني ١٣١٩ هجري مطابق ٢٤ جولاءِ ١٩٠١ع تي. سندن مزارَ ڪوٽ منٺ ۾ آهي، جتي هر سال عرس ملهائبو آهي ۽ هزارين عقيدتمندَ پنهنجي روحاني پيشوا جي حاضري ڀريندا آهن.

مير عبدالحسين خان "سانگي"

مير عبدالحسين خان سانگي، مير عباس علي خان جو پٽ ۽ سنڌ جي آخري تاجدارَ مير محمد نصير خان جو پوٽو هو. هو سنہ ١٨٥١ع ۾ ڪلڪتي ۾ ڄائو هو. اُن وقت مير عباس علي خان پنهنجي والد سان گڏ ڪلڪتي ۾ انگريزن وٽ نظربندُ هو.

مير عباس علي خان هڪ ڏينهن سُندَربَن ٻيلي ۾ وڃي تلوارِ سان شينهن کي ماريو هو. هُن جي اهڙي بهادرِي ڏسي، هڪ يوروپين عورت ساڻس شادي ڪئي هئي، اُن مان مير عبدالحسين خانُ ڄائو هو.

مير عبدالحسين خانُ اڃا ڇهن ورهين جي عمر جو هو، تہ سندس والد ڪلڪتي ۾ وفاتْ ڪئي، جنهن کي حيدرآباد سنڌ ۾ ڪٺائي آيا ۽ ميرن جي قبن وٽ اچي دفن ڪيائون. هو پيءُ جي مرڻ کان پوءِ پنهنجي چاچي مير حسن علي خان "حسن" جي سنڀال هيٺ رهيو، جنهن کيس اردو، فارسي ۽ انگريزيءَ جي تعليم ڏياري. جڏهن ٻارنهنِ سالنِ جي عمر کي پهتو، تہ پنهنجي چاچي سان گڏ سنڌُ ۾ آيو.

هڪ دفعي هو گنجي ٽڪر جي پرسان مهراڻ جي ڪينٽيءَ ۾ هرڻ جو شڪار ڪندي هڪ نوجوان ۽ خوبصورت دوشيزه تي موهت ٿي پيو پوءِ ساڻس شادي ڪيائين. اُن مائيءَ ٿورن ئي ڏينهن ۾ لاڏاڻو ڪيو ۽ کيس پٽ شاهہ تي دفن ڪيائون. سندس گهر واريءَ جي جدائيءَ جو مير صاحب جي دل تي ايترو تہ اثر ٿيو، جو ڪجهہ

عرصو هو حيدرآباد ۽ ڀٽ شاهہ جي وچ ۾ پيرين اُگهاڙو ايندو ويندو هو ۽ راتين جُون راتيون گنجي ٽڪر تي مجنون ٿي گذاريندو رهيو.

آخرڪار وڏين ڪوشش سان هڪ انگريز عورتَ کيٰ مسلمانُ ڪري ساڻس شادي ڪرائي وئي، اُن مان ڪيسِ ٻہ لائق فرزندَ ڄاوا.

مير عبدالحسين خان فرسٽ ڪلاس اسپيشل مئجسٽريٽُ ٿي رهيو. هو شاعرن جي مجلسن، راڳيندڙن جي محفلن ۽ درويشن جي صحبت ۾ ٻہ گذاريندو هو، تہ اُن سان گڏ ڪورٽ جو ڪم ٻہ پوريءَ طرح سرانجامُ ڏيندو هو. هو شڪار جو ٻہ بيحد شوقين هو. هر سال سياري توڙي اونهاري ۾ شڪار ڪرڻ نڪرندو هو. ڪڏهن ٿر جي پِٽَنِ تي، ڪڏهن ڪينجهَرِ ۾ تہ ڪڏهن وري ڪِيرِٿَرَ جبلَ جي دامَنَ ۾ شڪارُ ڪندو رهندو هو.

مير عبدالحسين سانگي، حضرت شاهہ عبداللطيف ڀٽائيءَ جو معتقدُ هو ۽ سندس ڪلام سان بيحد پيار هوس. هو ننڍپڻ کان وٺي فقيري خيالن جو هوندو هو. عشق بازيءَ ويتر کيس فقيرُ ڪري ڇڏيو هو. جيتوڻيڪ هو اميرَ گهراڻي جو ماڻهو هو، پر سندس دل دردمند هوندي هُئي. کيس پنهنجي ملڪ جي غريب ۽ پورهيت ماڻهن سان اُنسُ هو. سندس دل تي فقيراڻو رنگ چڙهيل هو. انهيءَ ڪري هُن پنهنجو تَخَلّصُ ”سانگي“ اختيار ڪيو. ”سانگي“ معنيٰ ”ڪجهہ وقت گذاري وڃڻ وارو“.

سانگي صاحب جي ڪلام ۾ صوفيانہ، اخلاقي، عاشقانہ، فطرت نگاري، سيرت نگاري، مداحيہ ۽ مذاقيہ مضمون آهن. هُن جڏهن ٻِي شادي ڪِئي تہ سندس دماغ تان عشق جي مستيءَ جا

پردا لهي ويا، تڏهن پنهنجي شعر ۾ چوي ٿو ته:

جنهن تي ڏنو مون ڪي ، تنهن تي ڇيو ڇريو ڇريو
پنهنجي پريݨ ڏي مون جي ڏنو تي وريو وريو.
فرقت ۾ پنهنجي حال تي مون پاڻ تي رُنو،
سيڪنهن ڇيو تي عشق جو ڏونگر ڏريو ڏريو.
سچ آهي سَنگَ سَختَ کان انسانُ سنگدل،
جن ري نه دم سريو تي سو سانگي سريو سريو.

مير سانگي صاحب جن جڏهن اچا ڪلڪتي ۾ هئا، ته اُن وقت چيو اٿن ته:

پيارج پرت جو پيالو الاَ يَا اَيُّهَا السَّاقِيْ،
اسان جو ملڪ بنگالو الا يَا اَيُّهَا السَّاقِيْ.

مير عبدالحسين سانگيءَ چوهتر ورهين جي عمر ۾ سنه ١٩٢۴ع ۾ وفات ڪئي. سندس وصيت مطابقُ کين پٽ شاهَ تي دفنُ ڪيو ويو.

پير حسام الدين راشدي

انسانُ فردَ جي حيثيتَ سان جَڏهن پنهنجي انفراديتَ جا جوهر ڏيکارڻ لڳي ۽ سائنسِ گڏْ رهندڙَ ۽ ڪم ڪندڙَ هم جنسَ هُن جي خوبين کان متاثر ٿي پنهنجي سوچَ ۽ سيرتَ کي موڙڻَ لاءِ آماده ٿين تہ اُن فرد کي رهبر چئجي ٿو. جيڪڏهن ڪو فردُ پنهنجي تائيدَ ۽ حمايتَ جي حَد تائين ماڻهن ۾ مقبولُ ٿئي تہ اُنَ کي ورڪرُ ۽ ڪارڪنُ چئجي.

سنڌ رهبرَ بہ پيدا ڪيا تہ ڪارڪنَ بہ.

ماڻهنِ جي هِنَ بيِ تحاشا هجومَ ۾ اُهي انسانَ جيڪي سوچينِ ٿا، لوچينِ ٿا ۽ ڪنهن ڪارائتيءَ وَٿُ کي ڳولينِ ٿا ۽ اُنَ راهہَ ۾ رُڪاوٽُنِ ۽ مشقتن کي پوڳين بہ ٿا، ۽ پوءِ اُنَ ڳوليل وَٿُ کي پنهنجي قوم آڏو آڻين ٿا، جيئن اُنَ مان اُنهن جو ڀلو ٿئي، اهڙا انسانَ انسانيت جا محسن آهنِ. پوءِ اُها وَٿُ ادب جي حيثيت ۾ هُجي، شاعري هُجي، فلسفو هُجي، سائنسي ايجادَ هُجي، نظرياتي قدرُ هُجي، علمَ ۽ فنَ جي ڪنهن بہ شعبي سان تعلقُ رکندڙَ شيءِ هُجي. اُها پُوريءَ قومَ لاءِ وقفُ ٿي وڃي ٿي، ۽ اُن اديبَ، شاعرَ، محققَ، فنڪارَ، سائنسدانَ ۽ سياستدانَ وغيره کي قابل قدرُ ۽ قابل احترامُ شخصيتنِ جي فهرستَ ۾ جاءِ ملي ٿي. اهڙيءَ طرح قومون پنهنجي اجتماعي ڪردارَ جي برڪتَ ۽ حرڪتَ جو تسلسلُ برقرارُ رکنِ ٿيون.

اسان جي اَڄُ جي صحبت جو فرد بہ اِهڙن ئي بابرڪتَ عالمنِ ۽ محققنِ جي صفَ اولِ جو منفردُ شخصُ آهي، جيڪو حسام الدين راشديءَ جي نانءَ سان مُلڪَ توڙي ملڪَ کان ٻاهرِ پنهنجي بصيرتَ

۽ سيرت جي هڳاءَ ڪان مٿ ورُ آهي. پير حسام الدين راشدي پنهنجي سرِ پاڻَ هڪُ مڪتبُ هو، حقائقَ جو وسيعُ ايوانُ هو. تواريخَ، ادبَ، شعرَ- خاص طورَ تي فارسي زبان جي قديم توڙي جديد علم و ادب جي ذخيرن جو وڏو ڄاڻو ۽ قدردانُ هو. سنڌُ فارسي زبانَ ۽ ادبَ ڪان صديُنِ ڪان روشناسُ هُئي، ۽ مَتِسِ ايرانَ ۽ افغانستانَ جي تهذيبُنِ جو خاصو اثرُ هو. راشدي صاحب سنڌُ ۽ ايرانَ جي علمي ميثاقَ جو نہ رڳو قدردانُ هو بلڪ اُن جو امينُ هو.

سَندسِ شخصيتَ جي اِها عظمتَ هُئي تہ هُو باوجود هڪ پيرَ ۽ سيدَ خاندان جي فردَ هوندي، روايتي ۽ مُدي خارجِ پيري مريديءَ جي بي سودُ ۽ بي فيضُ سلسلنِ ڪان باغي هو.

هو هڪُ روشن دماغُ، خوددارُ ۽ بي باڪ نقادُ هو، جنهن پنهنجي ساري ڄمارَ تحقيقَ، تدوينَ ۽ تلاش حقَ ۾ صرف ڪئي. هو سنڌُ جي هڪ ڳوٺ ٻَهمڻَ ۾ ڄائو، مگر سندس سيرتَ ۽ فضيلتَ جو واسُ پوري برصغيرَ، ايرانَ ۽ افغانستانَ جي علمي حلقن تائين پکڙيو.

سنڌُ ۾ هُنَ اردو، سنڌي، سرائڪي، پنجابي ۽ پشتو زبانن جو چڱيءَ طرحَ اڀياسُ ڪيو ۽ هَرَ هنڌِ پنهنجا دوستَ ۽ قدردانَ پيدا ڪيا.

هُو ڪُلُ وقتي طالبُ العلمُ ۽ طالبُ التحقيق هو. جيتوڻيڪ روايتي طورَ تي هُو ڪنهن ڪاليجَ، يونيورسٽيءَ، يا دارالعلومَ جو باقاعده استادُ ۽ معلمُ ڪونہ هو، ۽ هُن جا ڪي رسمي شاگرد ڪونہ هُئا، مگر نِجي محفلُنِ ۽ شُغلَنِ ۾ ۽ ادبي گڏجاڻين ۽ اهم قومي ورسين جي موقعي تي، هُن جي ٻولَنِ ۽ قولَنِ جا ڪيئي مشتاقَ هُئا، جيڪي ڪيس احترامَ سان ٻڌندا هئا، ۽ فيضُ حاصلُ ڪندا

هُئا. پاڻَ هُونءَ ڪيترن تحقيقَ ۽ ريسرچ جي طالبن جِي، خاص طور تي تاريخ ۽ ادبَ جي موضوعن تي، رهبري ڪندا رهيا، جن پوءِ پي- ايچ- ڊيءَ جي اعليٰ سَنَدُنِ کي حاصُل ڪيو.

پاڻَ ڪيترا ئي مقالا ۽ مضمونَ، مُلڪي ۽ بين الاقوامي رسالن ۽ ادبي شهپارنِ ۾ تحريرَ ڪيائون. سندن ضخيم تصنيفات ۽ تاليفات جو بہ خاصو تعدادُ آهي، جن مان ڪي اهمُ نالا هِي آهن:

1. ڳالهيون ڳوٺَ وڻن جون.
2. هُو ڏوتِي هُو ڏينهَن.
3. تذڪره امير خاني.
4. تاريخَ مظهر شاهجهاني.
5. مقالات الشعراء.
6. مير معصوم بکري.

اِهي سندس شاهڪار تصنيفون تاليفون آهن. پاڻ انجمن ترقيءَ اردو جو مستقلُ ميمبر رهيو، اردو ڊيولپمينٽ بورڊ جو ميمبر تي رهيو، سنڌي ادبي بورڊ جو بہ مستقل ميمبر رهيو، ڪراچي يونيورسٽيءَ جي ائڪيڊيمڪ ڪائونسلَ جو ميمبر هو، سنڌ يورنيورسٽيءَ جي سِينيٽَ جو ميمبر رهيو، سنڌ يونيورسٽيءَ جي سنڊيڪيٽ تي 1963ع کان ميمبر مقرر ٿيو، جنهن تي آخر تائين برقرار رهيو. پاڪستان سرڪار 1958ع ۾ نئشنل ميوزيم ٺاهڻ لاءِ هڪ ڪاميٽي جوڙي، اُن جو بہ راشدي صاحبُ آخر تائين ميمبرُ رهيو.

1964ع ۾ حڪومتَ پاڪستانِ طرفان کيس تمغہ امتياز ڏنو ويو.

1965ع ۾ کيس پاڪ روس ڪلچرل آئسوسئيشن جو نائب صدر چونڊيو ويو.

1966ع ۾ افغان حڪومت جي دعوتَ تي افغانستان ويو، جتي پاڪ افغان مشترڪ تاريخي ورثي ۽ لاڳاپي تي تحقيقي موادَ جو مطالعو ۽ موازنو ڪيائين.

1900ع ۾ ايران جي شاهہ جي دعوت تي ايران ويو، جتي شاهہ ايران فارسي زبان ۽ ادب جي تاريخ ۽ تحقيق جي خدمتن جي صلي طور کيس نشانِ سپاس (درجہ اول) عطا ڪيو.

پاڻَ پهرين اپريل 1982ع تي اسان سيني کي الوداع چئي، اهڙي پار هليا ويا، جيڏانهن هرڪو وڃي ٿو پر جِتان موٽڻ ممڪن ناهي.

رَئيسُ غلام محمد خانُ پُرِڳڙي

سنڌ جي جاگيرداري ۽ زمينداري سماجَ ۾ ڪي بِنهِ ٿورا زميندارَ ۽ وڏيرا اهڙا بہ ٿِي گذريا آهن، جي دستوري وڏيرڪي مزاجَ سان گـهُمَنڊَ، خودغرضِي، ڏاڍائِي، بي حسِي، غريبـان مـارَ، استحصالي عيبن کان آجا قرارُ ڏِئي سگهَجن ٿا. اُنهَنِ ۾ جناب غلام محمد خانَ پُرِڳڙِيءَ کي سرفهرست ڳڻي سگهجي ٿو. هِن بظاهر رئيس ۽ وڏي زميـندارَ جي جبلتَ ۾ انسـانَ ذاتِ جي ڀَلائيءَ ۽ همدرديءَ جو ڪو اڻکُٽ پلو سَلو موجودُ هو. مظلومن، مسڪينَنِ ۽ غريبَنِ لاءِ هُن جو هَڏ ڪُرڪندو هـو. اُنهي مَعامِلي ۾ هُو ڏاڍو ڪو بي غرضُ، حَساسُ ۽ مخلصُ ماڻهو هـو. هُنَ عامُ ماڻهنِ، هارِيُنِ نارِيُنِ ۽ پورهيتَ طبقي لاءِ جيڪي بہ سياسِي ۽ سماجِي ڪشالا ڪَيا ۽ اُنهن جي سُڌاري لاءِ جا بہ جدوجهد ڪئي، اُنَ جي پوئتان ڪابہ نمائشي ڪيفيتَ ۽ واهہ واهہَ جي تمنا ڪانہ هُئي.

سنڌ جي هِن آزاد خيالَ، باهمتَ زميندارَ 1908ع ۾ انگلنڊَ مان بئريسٽريءَ جو امتحانُ پاسِ ڪيو ۽ حيدرآباد شهرَ ۾ اچي وڪالتَ جِي فرمَ کوليائين ۽ اُن سان گڏوگڏ سياستَ ۾ بہ حصو وٺڻ شروع ڪيائين. اِن دورانِ شيخ عبدالمجيد سنڌيءَ بہ مسلمانُ ٿي اچي رئيسَ غلام محـمد پرڳڙيءَ وٽ رهائش اختيـار ڪئي. پرڳڙي صاحب جيئن تہ ”الامين“ اخبار جاري ڪري چڪو هو، اُنَ جي ايڊيٽريءَ جي چارجَ شـيخ عبدالمجيد سنڌيءَ جي حوالي ڪيائين.

پرڳڙي صاحب 1909ع کان اِنڊين نئشنل ڪانگريسَ جو

ميمبرُ تي رهيو ۽ هَرَ سال بِلاناغي اُن جي اجلاسَنِ ۾ شرڪت ڪندو رهيو. ساڳئي سالَ جي آخر ۾ ”مِنٽو مارلي رفارمس“ تحَتِ نَيُون چُونڊُون ٿِيُون. اُنهنِ ۾ زميندارنِ ۽ جاگيردارنِ جي عيوضيءَ طورَ سنڌ مان رئيسُ غلام محمد خانُ ڀرڳڙي بمبئي ليجسليٽو ڪائونسلَ جو ميمبر چونڊجي ويو. ۽ 1920ع تائين اُن جو رُڪُنُ رَهَندو آيو. اُنهي مُدي دوران پاڻَ گهڻو ڪري غيرسرڪاري پارٽيءَ ۾ رهي ڪم ڪيائين.

سنڌي مسلمانن ۾ تعليمَ جي گهٽتائيءَ کي محسوسُ ڪندي، پاڻ ”مسلم ايڊيوڪيشن سيس بِلُ“ تيار ڪري، ڪائونسلَ ۾ پيشِ ڪيائين، جنهن موجِبِ سنڌ جي هَرَ مسلمانَ زميندار کان ڍَلَ جي هڪ روپئي تي هِڪُ پَيسو اُگاڙي، هارينِ جي ٻارن جي تعليم تي خرچُ ڪرڻو هو. پَرَ جڏهن ڀرڳڙي صاحب اُنَ بلَ جي تائيدَ لاءِ زميندارن کان صحيحن وٺڻ جي مهمَ شروع ڪئي، تہ زميندارن جي وڏيءَ اڪثريتَ اُنَ هڪَ پيسي ڏيڻَ کان صفا نابري وارِي؛ چيِ، ”هارين جا ٻارَ پڙهندا تہ اسان جي تابعداريءَ مان نڪري ويندا!“ حڪومتَ اڳيئي درپرده اُن بلَ جي مخالف هُئي. بهرحال، اُها تجويز بحالُ ٿِي نہ سگهِي!

سنڌُ ۾ رَسائِيءَ ۽ لاپي جي نالي ۾ سرڪاري ڪامورن جي گشت وقت اُنهنِ جي عياشين ۽ شاهہ خرچين لاءِ هڪڙِي غيرقانوني رَقَمَ زميندارنِ کان اُگاڙي ويندي هئي. اُن جي باوجودُ عام ۽ غريب ماڻهن کان بيگرِ ۾ ڪيترا ڪمَ ورتا ويندا هئا، جن جو هُنن کي ڪوبہ اُجورو ڪونہ ڏنو ويندو هو. مثلاً، رستا ٺهرائڻُ، جهنگُ ويرائي صاف ڪرڻ، تنبو کوڙائڻُ، ڪامورن جي وهٽن لاءِ گاهہ ۽ چارو ميسر ڪرڻُ، پاڻي ڀرائڻُ، رستن تي ڇٽڪار ڪرائڻُ، شڪار ڪرائڻُ،

وغيره. غريبن کي مار موچڙو هڻي، بي عزتو ڪري ڪاڻڻ اِهي ڪمَ ورتا ويندا هئا، ان جو عيوضو تہ پري ٿيو پر مسڪين ڪي مانيءَ جو هڪُ ويلو بہ ڪونہ ڪارايو ويندو هو!

رئيس پرڳڙي صاحبَ اُن نِسوري ناحَقَ ۽ ظلمَ کي بند ڪرائڻ لاءِ ڪائونسلَ ۾ زوردارُ موقفُ اختيار ڪري، تقريرون ڪيون ۽ اُن زيادتيءَ ۽ زبردستيءَ جي خلاف اِنڪواريءَ لاءِ حڪومت تي زورُ پريو. سرڪار اُنَ لاءِ آماده ٿِي، جنهن جي نتيجي ۾ جيڪي اَنگَ اکرَ پڌرا ٿيا، اُنهن ۾ اُها حقيقت جيئن جو تيئن صحيح نڪتي. سرڪار سختيءَ سان ڪامورن کي نوٽيسُ سرڪيولَرُ جاري ڪري اُن رسمَ کي بندِ ڪرڻ جا حڪمَ صادر ڪيا. مگر افسوسُ جو مڪمل طور وري بہ اُها ختمَ ٿِي نہ سگهي.

سنڌ کي بمبئي پريزيڊنسيءَ کان آزاد ڪرائي، ڪيس مڪمل صوبي ۽ صوبائي خودمختياريءَ جي حيثيت ڏيارڻ لاءِ رئيس صاحبَ ۽ سندس ساٿين، جهڙوڪ: شيخ عبدالمجيد سنڌيءَ، سيٺ حاجي عبدالله هارونَ ۽ سيٺ هرچند راءِ وشنداسَ وغيره، گڏجي ڪوششون ڪيون، جنهن جي نتيجي ۾ نيٺ سنڌ بمبئيءَ جي بالادستيءَ کان نِجاتِ حاصل ڪئي ۽ ڪيسِ صوبي جو درجو مليو.

بيا مُکيہ مسئلا جِن ۾ خاص طرحَ ”عام ماڻهن جو ڀلو“ هو، اُنهن ۾ رئيسَ دلچسپي ورتي، ۽ اُنهن قانوني اقدامن واسطي بِلَ يا اُنهن جي تائيدَ ڪئي، اُهي هن ريت آهن:

1. اُردو پرائمري تعليم لاءِ ٺهراءُ.
2. چيريٽيز رجسٽريشن بِلُ.
3. اِريگيشَن بِلُ.
4. ڊسٽرڪٽ ميونسپل بِلُ.

5. فري ڪمپلسري ايديوڪيشن بِلُ.
6. ولیج پنچائت بِلُ.
7. ڪاٽن ڪنٽرول بِلُ، وغيره.

ڪانگريسَ جو اُهو اهم اجلاس، جيڪو ڪراچيءَ ۾ 26، 27، 28، ڊسمبر 1913ع ۾ نواب محمد بهادر (جيڪو ٽيپو سلطان جي اولاد مان هو) جي صدارت ۾ ٿيو، جنهن ۾ رئيس غلام محمد ڀرڳڙيءَ کان علاوه سَر آغاخان، محمد علي جناح، لالا لجپت راءِ ۽ ٻيا سرڪردا ليڊر پڻُ شريڪُ ٿيا هئا. اُن اجلاس کان پوءِ ڪافِي سنڌي اڳواڻَ جناح صاحب ۽ ڀرڳڙي صاحب سان گڏجي، آگري ۾ ٿيندڙ آل انڊيا مسلم ليگَ جي اجلاس ۾ بہ وڃي شريڪُ ٿيا هئا، جَنهن جي صدارت سر ابراهيم رحمت الله ڪئي. اُهو اجلاسُ ساڳئي سال 30 ڊسمبر 1931ع ۾ ٿيو. اُن ۾ مسلم ليگ هندستان لاءِ خود حڪومتَ جو ٺهراءُ پاس ڪيو.

رئيس غلام محمد ڀرڳڙيءَ اِنَ وچ ۾ جناح صاحب کان سواءِ جِن ٻين اهم سياسي اڳواڻن سان لاڳاپا قائم ڪيا ۽ گڏجي جدوجهد ڪئي، اُنهن ۾ راجا صاحب محمود آباد، غلام علي چاڳلا، مولانا ابوالڪلام آزاد، ڊاڪٽر مختيار احمدِ اِنصاري قابل ذڪر آهن.

جناح صاحبَ ۽ ڀرڳڙي صاحبَ جي گڏيل ڪوشش سان ڪانگريس ۽ مسلم ليگ ۾ هڪ سمجهوتو ٿيو، جنهن کي بعد ۾ "لکنو پئڪٽ" جي نالي سان سڏيو ويو.

ڀرڳڙي صاحبَ 15، 16، 17 فبروري 1920ع تي بمبئيءَ ۾ ٿيندڙ آل انڊيا خلافت ڪانفرنسَ جي اجلاسَ جي صدارت ڪئي. اُن اجلاس ۾ جن مکيہ ماڻهن شرڪت ڪئي، اُنهن مان ڪن جا نالا هِي آهن:

(1) قائداعظم محمد علي جناح، (2) مولانا ابوالڪلام آزاد، (3) مولانا عبدالباري فرنگي محلي، (4) مولانا ظفر علي خان، (5) ڊاڪٽر سيف الدين ڪِچلو، (6) مولانا حسرت موهاني، (7) مولوي فضل الحق (شيرِ بنگال)، (8) سيٺ حاجي عبدالله هارون، (9) پير رشد الله شاهه جهنڊي وارو، وغيره.

اُن ڪانفرنس ۾ ڏهاڪو هزار کن ماڻهن شرڪت ڪئي، ۽ انگريزن جي خلافت پاليسيءَ کي سختيءَ سان ننديو ويو ۽ ان جي خلاف نهراءُ بحال ٿيو.

31 مارچ 1923ع ۾ لکنو ۾ آل انڊيا مسلم ليگ جو اجلاس ٿيو، اُن جي صدارت به رئيس غلام محمد خان ڀرڳڙيءَ ڪئي. اُن اجلاس ۾ ڪافي ميمبر جيلن ۾ هئڻ ڪري شريڪ نہ ٿي سگهيا هُئا. اُن ۾ راجا صاحب محمود آباد بهرحال شريڪ هو، ڀرڳڙي صاحبَ اُن اجلاس ۾ هڪُ تفصيلي صدارتي خطبو پڙهيو، جيڪو 58 صفحن تي مشتمل هو، جنهن ۾ اُن وقت جي قومي توڙي بين الاقوامي مسئلن تي سير حاصل بحث ڪيائين.

ڀرڳڙي صاحبُ وڏيءَ دل وارو، سخي ۽ مَتيرُ مڙس هو. زميندارِيءَ مان چڱي پيدائش هُيس. ڪيس عياشين ۽ پئسي ميڙڻ جو حرص ڪونہ هو. وڪالت کي پيشو ڪري استعمال ڪونہ ڪيائين. اڪثر ڪيسَ مفتَ ۾ ڪڻندو هو. سنڌ جا اڪثر قومي ڪارڪنَ سندس مدد ۽ مهمان نوازيءَ مان مستفيد ٿيندا رهيا.

شيخ عبدالمجيد سنڌيءَ جي مسلمان ٿيڻ تي، هندن جي داخل ڪيل ڪيس کي بہ ڀرڳڙي صاحب دوستيءَ ۾ هلايو.

حُرن کي جڏهن لوڙهن ۾ بند رِکيو ويو، تڏهن اُنهن کي آزاد ڪرائڻ لاءِ بہ ڀرڳڙي صاحب ڪيسُ پاڻ هلايو.

پرڳڙيءَ صاحب جو مسلڪ ۽ مذهبي عقيدو صوفياڻو ۽ فرقيبنديءَ کان ڪوهين ڏور هو. ڪٽرپڻي کان ڪيس بُڇان هُئي. هِن درويش صفت، آزاد منش ۽ غريبن جي هڏڏوکيءَ، بئريسٽر، زميندار، اصول پرست ۽ ايماندار سياستدانَ 9 مارچ 1924ع تي نمونيا جي بيماريءَ ۾ وفات ڪئي.

حيدرآباد جا هزارين شهري جن ۾ مسلمان، هندو،مرد عورتون سيني فرقي جا ماڻهو شامل هُئا، سندس جنازي ۾ غمناڪ ٿي شريڪ ٿيا. کيس پنهنجي ڳوٺ ڏينگاڻ (ٿرپارڪر ضلعي) جي سندن آبائي قبرستان ۾ دفن ڪيو ويو.

سَر حاجي عبدالله هارون

جهڙيءَ طرح سنڌ جي مسلمان زميندارن ۽ آبادگارن ۾ رئيس غلام محمد خان ڀرڳڙي هڪ مخلص، باهمت قومي، سياسي ۽ سماجي ڪارڪنُ ۽ رهنما ٿي ڪم ڪيو، ساڳيءَ طرحَ سنڌ جي مسلمانَ واپاري طبقي مان سَر حاجي عبدالله هارونَ بہ ملڪ ۽ ماڻهن جي ڀلائيءَ لاءِ بي غرضُ ٿي قومي خدمت جو فرض بجا آندو.

هُن جا وڏا اصل ڪڇ جي لوهاڻہ هندن مان مسلمانَ ٿي، "موئمن" ۽ پوءِ ميمڻ سڏجڻ لڳا. هُن جي قبيلي جو هڪ فرد ميان هارون سنڌ تي انگريزن جي حملي ۽ قبضي کان پوءِ 1858ع ڌاري واپار جي خيال کان لڏي اچي ڪراچيءَ ۾ ويئو. اُنهي ساڳئي دَورَ ۾ بمبئيءَ کان عَلوِي ڪٽنب جا بوهرا ۽ ڊنشا قبيلي جا پارسي بہ لڏي اچي ڪراچيءَ ويٺا ۽ واپار جو شغلُ اختيارُ ڪيائون.

سيٺ هارونَ کي بہ فرزند هُئا، هڪ جو نالو محمد عثمان ۽ ٻئي جو نالو عبدالله هو، جو پوءِ "سَر حاجي عبدالله هارون" جي نالي سان مشهور ٿيو. پاڻ سنہ 1872ع ڌاري ڄائو، اڃا ڇهن سالن جو ٻارُ هو، تہ سندس والدُ وفات ڪري ويو، ۽ سندس والده هُن جي پروش ۽ تعليمَ جو بار پنهنجي ڪلهن تي کڻي، ڏاڍيءَ هوشمنديءَ ۽ جرئتَ جو ثبوت پيش ڪيو. ڪيس پهريائين گجراتي اِسڪُولَ ۾ داخل ڪرايائين ۽ پوءِ انگريزي اسڪُولَ ۾ تعليم ڏيارِيائين.

هن پهريائين ننڍي پيماني تي واپار شروع ڪيو. پر پوءِ پنهنجي محنت ۽ ايمانداريءَ سان وڏو واپاري بڻيو. واپار ۾، سندس هِڪُ سونهري اصول هيءُ هو تہ پاڻ مُوڙيءَ کي خيال ۾ رکي، واپارُ ۽

ڪاروبار ڪندو هو، ۽ گھٽي يا ترت فائدي جي لالچ ۾ پنهنجي ناموس جي جوکم کڻڻ جو عادي نہ هو. ڪمائيءَ مان زڪوات جي رقم هر سال باقاعدگيءَ ۽ ايمانداريءَ سان ادا ڪندو هو.

واپار کان پوءِ پاڻ سياست ۽ سماجي ڀلائيءَ جي ڪمن ۾ حصو وٺڻ شروع ڪيائين. 1889ع ۾ حج جو فرض ادا ڪيائين. 1937ع ۾ کيس سَر جو خطاب مليو. 1939ع ۾ خاندان سميت اوٽاوا (ڪئناڊا) ۾ سڏايل اقتصادي ڪانفرنس ۾ شريڪ ٿيو، ۽ موقعي ملڻ تي يورپَ جو سير ڪيائين. سندس وڏي فرزند يوسف هارون جي شادي آغاخان جي ڪٽنب مان ٿي.

پاڻ 1901ع کان سياسي زندگيءَ جو آغاز ڪري چڪو هو. بتدريج ان وقت جي اهم سياسي اڳواڻن جهڙوڪ سَر آغا خان، مولانا آزاد، حڪيم اجمل خان، مير ايوب خان، جمشيد مهتا، هرچند راءِ وشنداس، غلام علي چاڳلا جن سان لاڳاپا قائم ڪيائين، ۽ اُنهن سان گڏجي ڪمَ ڪرڻ جو موقعو مليس. اُن وچ ۾ قائداعظم جناح صاحب سان گهاٽا لاڳاپا جوڙيائين ۽ مسلم ليگ ۾ شموليت اختيار ڪيائين.

سيپٽمبر 1919ع ۾ طرابلس جي جنگ لڳي، تہ ترڪن جي مدد لاءِ "هلال احمر" نالي ڪميٽيون سڄي هندستان ۾ جوڙيون ويون، جيئن چندا ڪري پيسا ۽ ٻيو ضروري سامان ڪٺو ڪري، ترڪن لاءِ موڪلجي. سنڌ جي هلال احمر ڪميٽيءَ جو سيڪريٽري ۽ خزانچي بہ سر عبدالله هارون کي چونڊيو ويو.

1929ع ۾ هند سرڪار طرفان بئنڪنگ انڪوائري ڪميٽي ٺهي، تہ حاجي عبدالله هارون ان جو ميمبر مقرر ٿيو. 1930ع ۾ آل انڊيا مسلم ليگ ڪانفرنس الهہ آباد ۾ منعقد ٿي، جنهن جي صدارت

سيٺ حاجي عبدالله هارون ڪئي، ۽ اُن ۾ مسلمانن جي تنظيم، تعليم جي مسئلن تي نهراءَ بحال ٿيا. دهليءَ ۾ ساڳئي سال آل انڊيا مسلم ڪانفرنس سَر آغا خان جي صدارت ۾ ٿي، جنهن ۾ پڻ حاجي عبدالله هارون شرڪت ڪئي. 1930ع ۾ سنڌ جي مسلمانن طرفان سنڌ جي مالي حالت جو تجزيو ڪرڻ لاءِ هڪ جانچ ڪميٽي مقرر ڪرڻ جو مطالبو ٿيو. سيٺ عبدالله هارون کي ان جو سيڪريٽري مقرر ڪيو ويو ۽ ان عهدي تي هُن 1935ع تائين رهي ڪم ڪيو.

هندستان ۾ ڪانگريس جي رويي کان مجبور ٿي بنگال ۽ پنجاب جي وڏن وزيرن مسلم ليگ ۾ شموليت اختيار ڪري ورتي هُئي ۽ جڏهن سنڌ ۾ بہ ڪانگريس جي قول ۽ فعل ۾ تضاد ظاهر ٿيڻ لڳا، تہ ڪراچيءَ ۾ جناب محمد علي جناح قائداعظم جي صدارت ۾ مسلم ليگ جو اجلاس سڏايو ويو، جنهن ۾ مرحبائي ڪميٽيءَ جو صدارتي خطبو سَر حاجي عبدالله هارون پڙهيو، ۽ خاص طرح اُن کان پوءِ حاجي صاحبَ مسلم ليگ جو مکيہ ۽ مخلصُ رڪنُ ٿي ڪم ڪرڻ شروع ڪيو. ڪيس سنڌ کان ٻاهر صدارتن لاءِ ڪافي مرتبا سڏايو ويو. 1941ع ۾ لائلپور جي شاگردن جي ڪانفرنس ٿي، جنهن جي صدارت پاڻ ڪيائين تہ 1942ع ۾ الهہ آباد ۽ انڊيا سيرت ڪانفرنس ٿي، جنهن جي صدارت بہ جناب عبدالله هارون ڪئي.

27 اپريل 1942ع تي حاجي صاحب اوچتو دل جي دوري پوڻ ڪري وفات ڪري ويو. مرڪزي اسيمبليءَ ۾ سندس خالي ڪيل جاءِ تي سندس فرزند يوسف هارون بِنا مقابلي چونڊجي آيو. سنڌ ۾ سنڌي مسلمانن جي عام ڀلي لاءِ سوچيندڙ ۽ فعال

سياستدان سيٺ سر حاجي عبدالله هارون جو خال اهڙو هو، جو
پرجي نہ سگهيو. پاڻ سنڌ ۾ تعليمي، سماجي، اقتصادي ۽ سياسي
سڌارن آڻڻ لاءِ هڪ مخلص ۽ سچارَ ڪارڪنَ جي حيثيت سان
جيترو سرمايو، وقتُ ۽ محنت ڪم ۾ آندائين، ان لحاظ کان سنڌس
شخصيت بجا طور تي سنڌ ۽ پاڪستان جي صف اول جي رهنمائن
۾ شامل ٿيڻ جي مستحق آهي.

عمر مارئي

عمر سومري جي زماني ۾، ٿر ملڪ جي ملير ڳوٺ ۾، پالڻي نالي هڪ پهنوار رهندو هو. هيءُ مسڪين مارو ۽ سندس زال ماڊوئي سارو ڏينهن مال سان ٻهري، اُن کي جهنگ چاري ايندا هئا. سندن گذران ڏٽ ڏونري ۽ جهڙ مکڻ تي هوندو هو. ڪجهه ٻني پارو ٻه هٿن جنهن جي پوک ڦوڳ نالي هڪ هاريءَ جي همراهيءَ سان ڪندا هئا. کين سڪي ٻني هڪ نياڻي ڄائي هئي، جا ڄاپندي حُور جهڙي حسين هئي ۽ جيئن ويئي وڌندي تيئن ويئي هيڪاري سونهن ۾ سرس ٿيندي. آخر جڏهن سامائي، تڏهن سندس حسن جي هاڪ هنڌين ماڳين هلي ويئي. اُها سوپياوان سندري، جا مارو قوم جو مَرڪ هئي، تنهن کي سڏيندائي "مارئي" هئا.

پالڻي کان ئي ڦوڳ جو مارئيءَ تي ڏاڍو ارواح هو. سو هاڻي ته سندس جوانيءَ جو جلوو پسي، ويتر مٿس مست ٿي پيو. آخر پاڻ جهلي نه سگهيو، هڪ ڏينهن وڃي وڃي پالڻي کان مارئيءَ جو سنگ گهريائين. پالڻي ته مارئيءَ جي ماڻٽي پنهنجي هڪ نياڻيءَ، کيت سين، سان اڳيئي ڪري ڇڏي هئي، سو صفا نابري واريائين. ڦوڳ جون آسون اُميدون سڀ ٻٽ پٽجي ويون ۽ نهن کان چوٽيءَ تائين باهه وٺي ويس. پوءِ ته ساڙي ۽ حسد وچان وير وٺڻ جون، سٿون سٽڻ لڳو. پهه پچائي پچائي، آخر اها رٿ رٿيائين ته ڪو حيلو هلائي، مارئيءَ کي عمر جي قبضي ۾ ڦاسايان. اُنهيءَ مراد سان ملير ڇڏي، اُتي امرڪوٽ ڏي پنڌ پيو، ۽ سٿون ڏيندو سُتت ئي اچي منزل مقصود تي پهتو. عمر اوڏي مهل پنهنجن اميرن وزيرن سان ڪچهري ڪيو

وينو هو، ۽ کين هدايتون پئي ڪيائين ته رعيت سان ستم ڪرڻ آهي پنهنجي پير تي ڪهاڙو هڻڻ. اوچتو سندس اک وڃي ڦوڳ تي پيئي، جو در وٽ داد لاءِ دانهون ڪري رهيو هو. هن کي هڪدم سڏائي، ڪائنس پڇيائين ته ”تون ڪير آهين ۽ توسان ڪهڙي ويڌن آهي؟“ ڦوڳ هٿ ادب جا ٻڌي عرض ڪيو ته ”جيئندا قبلا! هن ٻانهي کي حضور جن سان هڪ خلاصي خبر ڪرڻي آهي.“ عمر انهيءَ ساعت ڪچهري برخاست ڪئي، ۽ ڦوڳ کي فرمايو ته ”چؤ، جيڪي چوڻو هجيئي.“ ڦوڳ عرض ڪيو ته ”جهان پناهه! ملير جي ڳوٺ ۾ مارئيءَ نالي هڪ نينگر آهي، جنهن جي ڪهڙي صفت ڪريان. آهي سا ڏنار جي ڌيءَ پر سچ به سندس اڳيان سرُ نمائي ٿو. لڱن تي ليڙون اٿس، پر جي لاڪيٺو لباسُ پهري ته هوند پرين کي به پري بيهاري. اهڙي من موهڻي صورت شاهي محلات ۾ ٿي سونهي.“

اِهو حالُ سڻي عمر کي نياءَ جون نصيحتون وسري ويون، مارئيءَ جي اڻ ڏٺل صورت تي اکين ڇڪڻ تي پيو ۽ پڪو پرڻ ڪيائين ته ڪيس حيلي بهاني هٿ ڪري، پنهنجي پٽ راڻي بڻائيندس. پوءِ پاڻ ۽ ڦوڳ ويس بدلائي، وهٽ پلاڻي، ملير ڏي ڪاهيندا ويا. ٻه چار منزلون ماري، ٽئين ڏينهن سج اڀرئي ٿي، اچي ملير کي اوڏو پيا. هاڻي پاڻ ۾ پهڻ لڳا ته ڪهڙيءَ ريت مارئيءَ کي ڦسلائي ڦندي ۾ آڻجي. اُهي ڳالهيون ڳهٽيندا، اچي ڳوٺ واري کوهه وٽ نڪتا. ٿر جا کوهه اڪثر اُونها ٿين ٿا، جن مان پاڻي ڪڍڻُ البت وقت پڇي. اُنهيءَ سبب ٿر جايون آڏيءَ اُتي، سنجهه ونديون آهن، ۽ جيڪي ويسليون ٿي سمهي رهنديون آهن، تن کي ڏينهن جو وارو مشڪل ملندو آهي، جوته پوءِ گهر جي پيءَ ورتڻ ۾ ٿي رڌلُ رهنديون

آهن. مارئيءَ به راڄ جي رواج پٽاندڙ، هر روزُ وڏيءَ ويرَ اُٿي، کوهہ تان پاڻي پرڻ ويندي هئي. قضا سان اڄ ننڊ نهوڙي نيو هوس، سو جيئن جاڳي، تيئن گهڙو کڻي، اُٿي کوهہ ڏي هلي. اُتي سندس هڪ ساهيڙي به بيٺي هئي، جنهن سان اجان ڪِلياڻين ڪيڪاريائين پئي، ته اوچتو سندس اک پريان اُٺ تي ايندڙ مسافرن تي وڃي پيئي. اُنهن اوٺُو آدمين کي ڏسي مارئي هيسجي وئي، ۽ گهڙو اتي ئي ڦٽو ڪري، پويان پير ڪرڻ لڳي، پر سندس ساهيڙيءَ کيس همٿائي چيو ته "چو تي چرڪين؟ هي ويچارا ڪي واٽهڙُو ٿا ڏسجن. الائجي مٿان پاڻ ۽ سندس وهٽ اڃايل هجن ۽ پاڻيءَ لاءِ هيڏانهن ايندا هجن. گهٽي ۾ گهٽو ته به پاڻ کان پاڻيءَ لپ گهرندا، ۽ اُنَ جي عيوض پاڻ به کانئن ملڪ جو واءُ سواءُ لهنديون سين." ساهيڙيءَ جي صلاحَ تي لڳي، جهڙو موٽي تڙَ تي آئي ته واٽهڙُو به اچي مٿان ڪَڙڪيا. ڦوڳُ اڳيئي عمرَ کي ڦوڪ ڏيئي ڇڏي هئي ته "مارئي اِها اٿيئي". اهڙو حسنُ پسي، عمرَ جي نينهن کي نئُون نيشُ اچي ويو. پوءِ پاڻي پيئڻ جو بهانو ڪري اُٺُ هُشائي، لهي هيٺ ٿيو، ۽ اڳيرو وڌي مارئيءَ کي منٿ ڪيائين ته "پاڻيءَ ڍُڪُ پيار."

ويچاريءَ وسُوڙلِ جيئن پاڻُ پري عمرَ کي ٿي آڇيو، تيئن هن کيس بازن کان جهلي کڻي اٺ تي چاڙهيو ۽ واڳُون وِڌي، اِتي وطنَ ڏي وريو.

امرڪوٽِ اچڻ سان، عمرَ مارئيءَ کي نيئي وڃي محلات ۾ قابُو ڪيو. رات جو وٽس لنگهي ويو. ڏسي ته هُوءَ رتُ پيئي روئي. سو کيسِ ليلائي چوڻ لڳو ته "روڄ راڙي مان ڇا ورندو؟ ڏڌو ڪير ورِي ٿڻين ڪين پوندو، هاڻي هتي ئي رهي، منهنجي پٽَ راڻي ٿي ويهہ. منهنجُون پيون سڀُ راڻيُون تنهنجُون گوليُون ٿي گذارينديُون، ۽ آءٌ به

ساري عُمرِ تنهنجو ٻڌو ٻانهون ٿي رهندس." پر مارئي جيئن ويئي پنهنجا پکا ۽ پهنوارَ يادِ ڪندي، تيئن ويترِ ويئي هنجُون هاريندي. آخر جڏهن عمرَ گهڻو ستايس، تڏهن جوابُ ڏنائينس تہ "منهنجُون ڪيتَ سينَ سان ازلَ کان ٿِي لاٿُون لڌل آهن. سو هُن ٻنان منهنجو جيءُ ٻئي ڪنهن سان مُورُ نہ ٻجهندو. مِهرَ ڪري، مون کي موڪل ڏي تہ آءُ موٽي ملير وڃان". پر عمرُ نہ مڙيو ۽ سمجهيائين تہ جيئن وقت ويندو گذرندو، تيئن مارئي ويندي هوڏ تان هٽندي. سندس اها اميدَ اجائي هئي. جيئن ويئي ويرمَ پوندي، تيئن مارئيءَ جي منَ ۾ ويئي عمرَ لاءِ ڌڪارَ وڌيڪَ ٿيندي. راتو ڏينهن سانگين کي ساري، پيئي جُهرندي ۽ جهڄندي هئي. پر اُنهن مان بہ ڪو واهرو ڪونہ وريو.

عمر بہ سنديس پچرَ نہ ڇڏي، روزُ رات جو وڃي لالچُون ڏيئي ريهيندو ريبيندو هوس. پر مارئيءَ پکن جي پريتِ ماڙين سان مُورُ نہ مَٽي، مارن لاءِ جا اندرَ ۾ اڪيرَ هيس، سا هرگزِ ماٺي نہ ٿي ٿيس. عمرَ جي پَٽَ پٽيهرنْ ۽ بخمل بافتن کي آباڻيءَ لوئيءَ جو مَٽُ نہ ڪيائين. هن جي سونن رُوپن ڳهڻن، عطرن، عبيرن، ڦُلاهن ست رڃين ۽ ميوَن مٺاين کي تِڇُ سمان ڪري سمجهيائين. عمرَ گهڻوئي ڏُتاريس، پر وريوئي ڪينَ. آخر ڏمرَ وچان ڪٺي ڪوٽَ ۾ قيد ڪيائينسِ. بس، پوءِ تہ ويچاريءَ کي ٻنهي پارين حياتي وهُ ٿِي آئي. هيڏانهن عمرَ جا اهنجَ ۽ ايذاءَ، هوڏانهن مارن جي لاغرضي ۽ بيپرواهي. اُتر لڳي، ڪوهہ تان ڪجي آئي هئي، مٺان اچي واهوندا وريا. مارُن جُون مُندَ مندَ جُون هاجُون ياد ڪري هنجُون پيئي هاريندي هئي. سندس وَرلاپَ ٻڌي واٽهڙو بہ اکين مان آبُ پيا آڻيندا هئا. جي سانيڙا اچي سار لهنس ها، تہ بندي بندُ نہ ساري ها.

هاڻي اِڇي مينهن جي موسم ۾ تي آهي، مارُو مالُ ڪاهي، ڏيئين ڀَئين پڪڙجي ويا آهن. هرڪو پنهنجي هاڃَ ڪمَ ۾ ٿي پُورو آهي، مارئيءَ جو محلن ۾ هينئون پيو مُنجهي. نااُميدَ ۽ نراسائي وڪوڙي وئي اٿس. ڪَتي ليڙُون ليڙَ ٿي وئي اٿس. ڇڳَن ۾ چيرَهه پئجي ويا اٿس. دل ۾ جا دردَ جي دُونهين پئي دکيس، تنهن هٽي منهن ميرو ڪري وڌو اٿس. ڪاڏو پيتو ڇڏي ڏنو اٿس ۽ مرڻ وهيٽي اڇي ٿي آهي. سو عمر کي سڏائي ڪيس ٻاڏائي چوي ٿي ته ”جيئري ته آجائيءَ جو ڏينهن نه ڏٺم. هاڻ وطن لاءِ واجهائيندي، جي هت مري وڃان ته مِهرَ ڪري، منهنجو مڙهه ملير روانو ڪج، ۽ ڪفنُ منهنجو مِرُ ۽ لوبانَ سان واسڻ بدران، اُن ڪي منهنجي ڏاڏائي ڏيهه جي ولين جو واسُ ڏج.“ ائين چئي ساڻي ٿي ڪري پيئي.

مارئيءَ کي ايئن بيحال ڏسي، عمر جي دل اٿلي آئي. سو هڪدم سندس بندَ خلاصُ ڪرڻ جو ٻهه ڪيائين.

هُن جو اهڙو ستُ ۽ سچائي ڏسي، سَندسُ مِنُ پڃي پيو، ۽ هِن سَتيءَ سُلڇڻيءَ کي پنهنجي سڳي ڀيڻ ڪري سمجهڻ لڳو، ۽ هُن جي مارن ڏانهن ماڻهو مڪائين ته ”اچي پنهنجي امانت وٺي وڃو.“ هِي سنيهو سڻي، ويچارن مارن ۾ ٿئون ساهه پيو، پر شڪُ پين ته متان عمرُ اسان کي ڪوڙو دلبو ڏيندو هجي، سو هڪُ اوٺي سنيرائي روانو ڪيائون ته وڃي سُڌ سَماءُ لهي اچي. اوٺيءَ آمرڪوٽ ۾ پهچي، مارئيءَ سان ملاقاتِ ڪئي ۽ دلداري ڏنائينس ته ”جهڙو ستُ سَيل رکيو اٿيئي، تهڙو ئي رکيو اچجانءِ، اِجهو واهرُو ورياڪي وريا.“ پوءِ وَهلوئي ملير موٽيو ۽ مارن کي وڃي سارو حال سڻايائين. ساري ڏيهه ۾ واڌايُون وِري ويئُون. پوءِ ته مارئيءَ جا مائٽ ۽ ڪيتُ سينُ گڏجي امرڪوٽ آيا. عمرَ ساڻن وڏا سهجَ ڪيا. ۽ مارئيءَ کي

سوڪڙيُون سڙيُون ڏيئي ڪيس سندن حوالي ڪيو.

پر ڪيٽَ سينَ جي منَ ۾ مارئيءَ بنسبتِ بدگمانُ ويهي ويو هو، ۽ ڪانئس گوشو پيو ڪندو هو، ۽ اٿندي ويهندي ويڻَ پيو وجهندو هوس.

سانگي سان عمرَ ڪي پتو پئجي ويو ته ڪيئن نه ڪيٽُ سينُ مارئيءَ جي سَتَ ۾ شڪُ آڻي، خود سندس بدنامي ڪري رهيو آهي. ڏاڍي مٺيان لڳيَس. سو هڪدم فوجَ سنيرائي مارن تي حملو ڪرايائين. مارن کي ڪڙڪَ پئجي ويئي، سو اُتي پڳا. هاڻي ته هيڪاري چؤ پچؤ ٿيڻ لڳي. تنهن تي عمرُ ماڻهن کي به چوڻَ لڳو ته ”هِن سَتِيءَ جو ورُ چوٿو ڪيس مفت آزاري؟ اِها ڪا خبر پويس ٿِي ته اٿين ڪرڻ سان پنهنجيءَ نُور جيان شفاف زالَ سان ڪيڏو انياءُ ڪري رهيو آهي! هوڏانهن هيءَ سچي روئداد ڏسي، مارئيءَ کي ڏاڍو ارمانُ ٿيو، پوءِ مارن جي هيءَ پاڪدامن نياڻي، نيات جي زالن کي تسليٰ ڏيئي، پنهنجي معصوم مَنَ جي زور تي سڏو عمرَ وٽ لنگهي ويئي، ۽ وڃي چيائينس ته ”تُون هِن ملڪَ جو والِي آهين، جي اهڙا ابتا پارَ نه هلين ها، ته اڄُ نه پاڻَ کي پُٺائين ها، نه مُون کي. پرائيءَ لڄَ کي بارهن مهينا ڪوٽ ۾ قابُو رکِي، ناحق هُن کي شڪَ شبهي جو شڪارُ بنائِي! لوڪَ کي سچَ ڪوڙَ جي ڪهڙي ڪَل؟ جي اسان تي بهتانُ رکيائُون، ته اِنَ ۾ ڪهڙو عجب؟ غيرت وچان جي منهنجو پِتارُ مُون کي هٿي ماري وجهي، ته به ڏوهِي نه چئبو. تلافِي ته ڪا نه ڪَيئَه، اٽلو آيو آهين ڏکويلن کي وڌيڪ ڏکوئڻ! پنهنجا افعال ساري امينُ ٿِي ڏسُ، ته ڪنهن جو ڏوهُ آهي؟“ عمر کي اِها ڳالهه دِل سان لڳِي آئِي، ۽ پنهنجي ڪئي ڪان پشيمانُ ٿِي، فوجَ واپس گهرائي ورتائين. پوءِ ڪيٽَ سينَ کي سڏائي چيائين ته

”قسم کٿي ٿو چوان تہ مُون کان ڪا خيانتَ سرزد ڪانہ ٿي آهي. انهيءَ ڳالهہ کي ثابتُ ڪرڻ لاءِ آءٌ کهڙيءَ بہ پريکشا لاءِ تيارُ آهيان.“ پر مارئي چيو تہ ”پريکشا مُون کي ٿي جڳائي، مَنَ اِئين ٿي پاڻ تان ۽ پنهنجي ڪُرَ تان ڪارنهن جو ٽکو لاهيان!“ اِها رٿ قبُول ٿي. پوءِ هڪ آڙاهہ تيارُ ڪرايو ويو، ۽ منجهس هڪ لوهہ جي سيخَ تپائڻ لاءِ وڌي ويئي. جڏهن اُها تپي لعل ٿي، ۽ کنوڻِ جيئان جهلڪا ڏيڻ لڳي، تڏهن مارئي اُن کي هٿن ۾ جهلي بيٺي. خدا جي جوڙَ جو لَهَسَ بہ ڪانہ آيس. هاڻي سيني جي نظرَ ۾ هوءَ سڀَ عيبَ کان اَجي ٿي، ۽ جڳَ کي تصديق ٿي تہ هوءَ تحقيقُ سَتي آهي. قدرت جو اهڙو عجبُ رنگُ پسي، عمرُ بہ پنهنجي سچائي ثابتُ ڪرڻ لاءِ متي مچَ ۾ ڪاهي پيو. سندسِ وارُ بہ ونگو نہ ٿيو. هاڻ ماڻهن جا وات بند ٿي ويا. هِن کان پوءِ مارن جو ۽ سڄي ملير ديس جو مُنهن مٺي ٿيو، کيتُ سين ۽ مارئي بہ پاڻ ۾ کيرُ کنڊُ ٿيا ۽ پنهنجي سڄي راڄ ڀاڳ سان باقي حياتيءَ جا ڏينهنَ هُو سکَ سانتِ ۾ گذارڻ لڳا.

سَسُئِي ۽ پُنهُون

راجا دَلُوراءِ جي زماني ۾ ڀانڀرواهہَ جي پَر تي، تاتيا نالي هڪ ٻانيڻُ رهندو هو. پاڻَ ۽ سَندَسِ گهرَ وارِي، جنهن جو نالو مُنڌارِ هو، سي ٻئِي اولاد لاءِ سڪايلَ هئا. نيٺ پيرِيءَ ۾ کين هڪ نياڻِي ڄائِي، جا سونهن ۾ چوڏهينءَ جي چنڊَ کي بہ شَهہَ ڏيئِي وَئِي. پر سندس ستاري مان معلوم ٿيو تہ سندس انگُ ڪنهن مسلمانَ سان اڙيلُ آهي، اهڙيءَ شُهُرَتَ ۽ بدناميءَ کان پاڻُ بچائڻَ لاءِ تاتيا ۽ سندس ناريءَ اُنهي بي بها موتيءَ کي وڏي افسوس سان صندوق جي سِپَ ۾ دَرجُ ڪري، درياءَ ۾ داخلُ ڪيو. صندوق لهرن ۾ لڙهندي، قضا سان اچي ڀنڀورَ جي پرسان ڪناري تي نڪتي. اُنهيءَ شهر ۾ محمد نالي هڪُ ڌوٻِي رهندو هو، جنهن کي ”لالا“ بہ ڪري سڏيندا هئا. سندسِ هٿَ هيٺِ پنج سَوَ ڪارِيگرَ ڪمائيندا هئا، ۽ چڱِيءَ ٻُونجِيءَ وارو هو. پر ويچاري کي اولادُ ڀِنّيءَ ڪونہ هو. جڏهن ڪاريگرن جِي نظر اُن پيتيءَ تي پيئي، تڏهن اُن کي پاڻِيءَ مان ڪڍي، پنهنجي استادَ وٽ کڻِي آيا. ڌوٻِي صندُوق کولي جان کڻِي ڏسي، تہ هڪ سدا سهڻو ٻار منجهس سُتو پيو آهي! ٻارُ کڻي پنهنجي گودِ لاتائين ۽ مَٿس ”سسئِي“ نالو رکيائون، جنهن جي معنيٰ آهي ”چَنڊُ“ (سن. شِشِي). سندس زالَ سسئي کي گهڻي لاڏ ڪوڏ مان نپائڻَ لڳِي. ماڻهو سندس موهڻِيءَ صُورتَ تي مفتُونُ ٿي پيا، ۽ جيڏانهن وينڊِي هئي، تيڏانهن سندسِ چنڊَ جهڙِي مُنهن جي چوڌارِي ڪَتِيءَ جي تارن وانگر ميڙ ڪري بيهندا هئا. گاڏَرَ جُون اکيُون بہ سسئِي کي ڏسيو پيُون ٺرنديُون هيُون ۽ هُنَ جي سڪَ ۽ آرام لاءِ هُو هرڪا

ڪوشش ڪندو هو: هُن لاءِ هڪ عاليشان محلُ اڏاياائين، جنهن جي چوڌاري هڪ وڏو باغُ رکاياائين، جنهن ۾ هوءَ پنهنجي سهيلين سان گڏجي آتڻ ۾ ويهي ڪتيندي هئي.

اُنَ زماني ۾ ڪيچ مڪران جا قافلا ڀنڀورَ جي شهرَ مان لنگهي، ٺٽي ۽ ٻين ملڪن ڏانهن واپار ڪرڻ لاءِ ويندا هئا ۽ سسئي جي سونهن جُون هاڪُون ٻڌندا وتندا هئا. نيٺ ڪنِ وڃي اِها خبر ڪيچ جي حاڪم آريءَ ڄام جي پٽَ پنهونءَ کي سڻائي. ٻڌڻَ شرط پنهونءَ جي دلِ ديوانِي ٿِي پيئي، ۽ هُو واپارِيءَ جو ويس ڪري هڪ وڏو قافلو سنيرائي، مشڪَ ۽ عنبر جا انبار ساڻُ ڪري، جلدئي اچِي ڀنڀور ۾ واردُ ٿيو، جن جي ڪٿُورِيءَ ۽ خُوشبوءِ سان هڪدم سارو شهر واسجِي ويو. سَسُئِي کي جڏهن اهڙي سڌِ پيئي، تڏهن عطرَ سودڻَ جي ارادي سان هارُ سينگار ڪري سهيلين سميتِ، پنهونءَ جي منزلِ تي وئِي. سسئِيءَ جي صورتَ ڏسِي پنهونءَ جو هينئڙو هيڪارِي هٿن مان ڇنائي ويو. هوڏانهن وري سسئِيءَ کي ٻہ پنهونءَ جي پيشانِيءَ پسڻَ شرطِ، پرِيتِ جو پيچ پئجِي ويو، ۽ هُن نيٺ پنهنجي اَندر جو آوازُ هڪ سکِيءَ سان اوريو، جنهن کي منٿ ڪيائين تہ ڪابہ تجويزَ ويڙهائي، آيي کي ربھي ربي، منهنجو پنهونءَ سان سگڻُ ڪر اِ!" سهيلِيءَ وڃي ڏوبِيءَ سان ڳالھ ڪئي ۽ پنهونءَ جي شرافت ۽ دولتَ جي ساراھ ڪئي، پر ڏوبِيءَ انڪارُ ڪيو. ۽ چيائين تہ "هڪڙو تہ پنهُون پرديسِي آهي، ۽ ٻيو تہ اسان جي ذاتِ جو نہ آهي." پرَ سکِيءَ ڪيسِ پڪَ ڏني تہ پنهُون ٻڻ ذاتِ جو ڳاڏرَ آهي ۽ چيائينسِ تہ "جيڪڏهن ويساھ نہ ٿو اچيئي تہ ڪيسِ آزمائي ڏسُ." ڪنِيءَ اِها ڳالھ قبُولُ ڪئي، ۽ پنهُونءَ کي گهرائي، آزمائِش وٺڻ لاءِ هن کي چيائينَ تہ "ڪيپَ ڌوئي اچ." پنهُونءَ جا نازڪُ هٿَ

ڦَرهي تي ڪپڙا سَنيندي لِڦون تي ويا. نيٺ ڪپڙن کي چيري ڦاڙي اڇي ڪنيءَ جي گهر نڪتو، ۽ ملُولُ ٿي، ڪنڌ ۾ ويهي رهيو. سسئيءَ کيس دلداري ڏيئي چيو تہ ”پولو نہ آهي. هاڻ ڇا ڪر، جو هرهڪ ڦاٽل ڪپڙي جي تهہ ۾ هڪ سوني مهرَ وجهي ڇڏ، تہ پوءِ ڪتان بہ شڪايتَ ڪانہ ايندي.“ پنهون، ائين ڪري، ڪپڙا مالڪن کي پهچائي آيو، ۽ ڪنهن وٽان بہ ڌوبيءَ کي ڪابہ دانهن ڪانہ رسي. هاڻي ڌوبيءَ کي تسلي ٿي، جنهن کيسِ سسئيءَ جو سڱُ ڏيڻُ قبُوليو.

اُنهيءَ وچ ۾، هڪ پاڙي ۾ رهندڙ سونارڻ جي دلِ پُنهونءَ تي سِرڪي ويئي، جنهن پنهنجي طمعَ پوري ڪرڻ لاءِ سسئي جي ستَ جي خلاف وچي پنهونءَ جا ڪنَ ڀريا. اُنهن ڏينهن ۾ رواج هوندو هو تہ جيڪڏهن ماڻهوءَ تي تِڪرُ پَجندو هو تہ هُن کي پنهنجي سچائيءَ ثابتُ ڪرڻ لاءِ باهہ جي مچَ مان لنگهڻو پوندو هو. پنهونءَ بہ سسئي کي پاڻُ موڪلڻَ لاءِ اُنهيءَ پرکَ مان پار لنگهڻ واسطي اشارو ڪيو. سسئي، جا سونَ وانگرُ سچي هئي، سا اُنهيءَ باهہ مان پاڻَ اڳي کان بہ اُجري ٿي نڪتي. آخر وڏي تجملَ ۽ طومانَ سان هِنَ ٻنهي عاشقن جي شادي ملهائي وئي. پوءِ ڌوبيءَ پنهُونءَ کان جندبو پاڙو لڪائي ورتو ۽ پنهُون بہ وطنِ وڃڻَ جو خيالُ لاهي، ڌوبيءَ جو ڌنڌو ڪندو رهيو.

پنهُونءَ جو پيءُ، ڄَنرو، جو سالَن ساٽَ ۾ آيو هو، سو سندسِ اِنهي روشِ تي گهڻو ئي پوسريو. پر جڏهن ڏنائين تہ ڪو چارو ڪونهي، تڏهن ساري ماهيت وڃي آريءَ ڄامَ جي پيش ڪيائين. آريءَ ڄامَ جي مُنهن جو پنوئي لهي ويو، ۽ پنهون، جو دادلو پٽُ هوندو هوس، تنهن جي فراق ۾ بيحال ٿي پيو. پهريائين هڪڙو قاصد روانو ڪيائين، جنهن جي هٿان پنهونءَ کي چوائي موڪليائين تہ

”جيڪڏهن هڪدم اچي حاضرُ نہ ٿيندين تہ منهنجو جيئڻ محالُ آهي.“ جڏهن قاصد ڀنڀور ۾ پهتو، تڏهن چا ڏسي تہ پنهون پرتن سان گڏيو پارچا پيو پچاڙي. هيءَ روئداد ڏسي، قاصد جا ڳچ ڳري پيا، ۽ درد سان دانهن ڪري چيائينس تہ،

”اِيءَ ڪاملَ ڪمُ نہ سندوءِ، جيئن پهس پچاڙين پوتيين.“

پر پنهون پوئتي هلڻ کان پڙُ ڪڍي بيٺو. قاصدُ نااميدو ٿي، موٽي وڃي آريءَ ڄام کي سربستو سماچار پهچايو. آري ڄامُ ٻڌڻَ شرطِ موريا ٿي ڪري پيو، ۽ روئڻَ ۽ راڙي ڪري اهڙو لاغرُ ۽ ضعيفُ ٿي ويو، جو سندس ساهہَ ڇٽي وڃڻَ جو امڪانُ هو. پيءُ کي اهڙي جوکائتي حالَ ۾ ڏسي، سندس ٽن پٽن، چنري، هوتيءَ ۽ نوتيءَ کيس آٿتُ ڏيئي چيو تہ ”ڪوبہ حيلو وسيلو ڪري، ڇاڻ تہ پنهونءَ کي ساڻُ وٺي، اچي تا توهان وٽ رسايون.“

پوءِ ٽيئي خانَ اٺن تي سوارُ ٿي، سگهوئي اچي ڀنڀور پهتا. سسئيءَ ۽ پنهونءَ کين گهڻو آدرڀاءُ ڏنو، ۽ پاڻَ وٽ مهمانُ ڪري، سندن گهڻي خاطرداري ڪيائون، هڪ رات جو ڳچُ ويرم تائين مجلس ۾ مشغولُ رهيا. سسئيءَ ويچاريءَ کي پنهونءَ جي اوسيڙي ۾ پلنگ تي جاڳندي جاڳندي ننڊَ ڪٽي ويئي. هوڏانهن وري ڀائرَ پنهونءَ کي غافلُ ڏسي، ويا کيسِ شرابَ جا پِٽَ پياريندا، تان جو نشي ۾ اهڙو الوٽُ ٿي ويو، جو پنهنجي وجودَ جو ڪو سماءُ ئي نہ رهيس. آڌيءَ راتِ کان پوءِ سندس اُٺ ڳنگائي، ڪيس بي خبريءَ جي حالت ۾ ڪٽي، ساٿيهہ ڏانهن سٽيندا ويا.

پوئينءَ رات جو، جان سسئيءَ جي اک کُلي، تہ ڇا ڏسي تہ پنهون پلنگَ تي نهي ئي ڪونہ. حيرت ۾ پئجي. هيڏانهن هوڏانهن دريافت ڪري ڏٺائين تہ اوطاقون ۽ اوتارا سڀ سُڃا ٿيا پيا آهن!

معلومُ ڪيائين تہ ڏيرَ ڪيس ويساهي، پنهونءَ ڪي زوريءَ پڄائي وٺي ويا آهن. پوءِ وٺي گهوڙا گهوڙا ڪيائين. جنهن تي مائٽس ۽ پاڙيسري اچي مڙيا، جن ڪيس گهڻيئي دم دلاسا ڏنا، پر هُن ڪنهن جي ڪين مڃي. ويس وڳا ڦٽا ڪري، لاڳاپا ۽ لاڳَ لاهي، ڪلهي ۾ ڦاٿل ڪنجرو وجهي، اڪيلائي اڪيلي، اُنن جو پير ڪڻندي، پنهونءَ جي پنيان ڪاهيندي ويئي. چاليهن ڪوهن جي پنڌ بعد اچي پبَ جبلَ جي ويجهو پهتي. اُجَ ۽ ٿڪَ سببان ماندي ٿي ڪري پيئي، ۽ چڙهيُون هڻڻ لڳي. قدرت خدا جي، جو اُنهيءَ هنڌان هڪ صافُ پاڻيءَ جو چشمون پڙڪو ڏيئي ڦُٽي نڪتو. "تحفه الڪرام" وارو چوي ٿو تہ "مُون معتبر ماڻهن ڪان ٻڌو آهي تہ اُهو چشمون اڄان تائين جاري آهي. ۽ ڪڏهن بہ سڪي نہ ٿو وڃي، ۽ ٻيو تہ ميندِيءَ جي ٿاري، جا پرڻي راتِ سسئي، دستور موجب، هٿ ۾ ڪري سِتي هئي ۽ جا سندس هن سفر ۾ همراهہ هئي، سا اُنهيءَ چشمي جي ڀرِ تي ڪري ٽُٻيائين، ۽ اها اَج بہ انهيءَ ڦٽيل عاشقياڻيءَ جي نشانِي آهي." ذرو ساعت وسرام وٺي، وري اڳتي ڪُڙي ڪنيائين ۽ پبَ جبلَ وارو مشهورُ لڪُ "پيوٽي ناڪو" لنگهي اچي هاڙهي جبل جي پاڙَ وٽ ڦوڙَ نديءَ جي پير ۾ پهتي، پر پاڻيءَ جي اُٿلَ سببان اڳتي اپڙي نہ سگهي. نهايت نااُميد ٿي، ٻوڏتي هتي، ۽ ڳچ پنڌَ بعدِ اچي ماباڙ نيءِ ويجهو رسي. هاڻ واهيري جي ويلَ اچي ٿي هئي. ٻ‍ِيان پهاڙ تي هڪ ايلِ پسهوارَ جي جهُوپڙي ڏسي، ڪانئس وڃي پڇيائين تہ "ادا، اِتائُن ڪو وِيو ساٿُ سڄڻ جو؟" سسئيءَ جهڙيءَ سهڻيءَ صورت ڪي هيئن اڪيلو ڏسي، ايل پنهوارَ جي دل هِرڪي ويئي، ۽ ڏانهس بڇڙي نظرَ ڪرڻ لڳو. سسئي پاڻ ڪي جوکي ۾ ڏسي، پنهُونءَ جي سارَ ۾ زارِ زارِ رُنو. سندس سوزَ وارين صدائن ڏونگرُ ڏاري وڌو، پر هُن ڪنورَ

تي ڪوبہ اثر نہ ٿيو. نيٺ خدا کان سواءِ ٻيو ڪوبہ چارو نہ ڏسي، ايل پنهوارَ ڪي پاڻ وٽان ٺارڻَ ٻهاني آڙي ڪري چيائينس تہ ”آءٌ تڪلَ تڪلَ ۾ اچايل آهيان، ٻلائي ڪري ڀيريائين ڪو ڪير چڪو پيارينم.“ ايل پنهوارُ خوش ٿي، ڏڻ ڏانهن ڊوڙيو. هنَ جو پاسي ٿيڻُ ۽ سسئيءَ جو رب کي سوالُ ڪرڻُ. ٻئي هڪ ڪٿي، ٻاڏائي چيائين تہ ”اي ستارَ! هن ٻيوسيليءَ جو وسيلو تيءَ!“ هُن اجا دعا مس پُوري ڪئي، تہ ڀهاڙُ ڦاٽي پيو، جنهن ۾ اندرِ گهڙي ويئي، پوءِ جبلُ جبلَ جهڙو ٿي پيو. پر سسئيءَ جي چُنيءَ جو پاندُ ٻاهرِ رهجي ويو. ايلِ پنهوارُ جڏهن ڪيرُ ڏهي پوئتي موٽيو، تڏهن هيءُ رنگ ڏسي ٽِپرُسَ ۾ پيو ۽ الاهي قدرتَ جو اهڙو اهڃاڻُ پسي توبہ تائبُ ٿيو.

پوءِ اُنهيءَ هنڌِ، هڪ پٿرن جو ميڙُ ڪري، قبر جو لوڙهہُ ٺاهي ڇڏيائين. هوڏانهن رستي تي جڏهن پنهُون تشي جي خُمارَ مان سجاڳُ ٿيو. تڏهن پاڻ کي اُٺَ تي جڪڙيلُ ڏسي ڏاڍا جَڪَ ڪاڏائين. ڀائرن کان پڇي وجھ لاءِ گهٽوئي واجهايائين، پر هنن کان پڇي نہ سگهيو. نيٺ آئي سندسِ ٻانهن آريءَ جامَ جي حوالي ڪيائون. پر پنهُون، سسئي جي وڇوڙي ۾ اهڙو ڳرندو سڙندو ويو، جو پٽسِ کي سندس مرڻ جو خوفُ ٿي پيو. لاچار پنهُونءَ کي رخصت ڏنائين تہ ”ڀنڀورِ موٽي، سسئي کي بہ ساڻُ وٺي اچي آستاني تيءُ.“ پوءِ هيءُ يارُ بہ سنيندو ڀنڀور ڏانهن راهي ٿيو. جڏهن سسئيءَ جي قبرَ وٽان لانگهائُو ٿيو، تڏهن سندس روحَ کي هڪ ازغيبي اڌمو آيو. ٿهڙي رڻَ پَٽَ ۾ تازي لوڙهہ مان چُنيءَ پاندُ ٻاهرِ نڪتلُ ڏسي، دل ۾ سَنسو پيدا ٿيس تہ نہ ڄاڻان هيءَ سسئيءَ جي قبر آهي! اتفاقاً اُهو ايل پنهوار بہ اُتي اچي سهڙيو، جنهن سچي ماجرا ڪيس بيانُ ڪري سٺائي. ٻڌندي شرطِ اُٺَ تان ٽپو ڏيئي لهي پيو ۽ ڀائرن کي چيائين تہ ”ذرو

ويرمَ ترسو تہ هن قبرَ جي زيارتَ ڪري وڃان". پوءِ قبر جي پر ۾
ويهي زارِ زارِ رنائين ۽ خدا جي درِ وينتي ڪيائين تہ "اي وڇڙيلن کي
ملائيندڙ سچا ڌڻي! مون کي پنهنجي محبوبَ سان هيڪاندو ڪرِ!"
سندس عرض اگهائو، وري بہ جبل ڦاٽي پيو ۽ پنهون وجي پنهنجي
پرينءَ کي هميشهہ لاءِ مليو.

سورَٺ راءِ ڏياچُ

ڪنهن زماني ۾ راءِ ڏياچَ نالي هڪڙو راجا جُهونا ڳڙهہ تي راڄ ڪندو هو. ڪيس هڪَ ڀيڻُ هئي، جا اولاد لاءِ ڏاڍي سڪايلِ هئي. هڪڙي ڏينهن هڪ فقيرَ کي وڃي ستايائين تہ ”سائين! دڳيءَ ڪان دعا گهرو تہ مون کي ڪو خير جو ٻچو ملي. فقيرَ دعا ڪري چيس تہ ”مائي! پٽڙو سو ملنديءِ، مگر اُهو راءِ ڏياچ جي سِسِي ڌڙَ ڪان ڌار ڪندو.“ هي لفظ ٻڌِي راجڪمارِيءَ ڪان رڙِ نڪرِي ويئي، ۽ چيائين تہ ”سائين اهڙو پٽُ ئِي گهوربو، جو ياٺرِ جو سرُ وڍي.“ پر فقير جو ڪلامُ ڪيئن ٽري! پوري نوين مهيني راجڪماريءَ کي هڪ پٽُ ڄائو. فقير جا سخنَ يادِ ڪري، ٻالڪَ کي صندُوق ۾ وجهي، ڪٺي درياءَ ۾ ڦٽوڪيائين. صندُوق لڙهنديِ لڙهنديِ وڃي راجا اَنيراءِ جي ملڪَ مان نڪتِي. هڪ چارڻ ۽ سندس زالَ، جي درياءَ تي پاڻِي پرڻَ لاءِ آيا هئا، تن جي نظر وڃي اُن تي پيئِي. صندُوقَ کي پاڻيءَ مان ٻاهر ڪڍِي جان کٽِي کولين تہ ڏسن تہ منجهسِ هڪ ٻاروتن ۾ تنجيلُ ٻارُ پيلُ آهي! پوءِ تہ ان کي ڪڍي ڪري پنهنجي ڳِل لاتائون ۽ گهر وٺِي وڃِي نپاياٿونس. مٿس نالو رکياڻُون ”بيجَلُ“. نينگرُ اِجُ ننڍو سيان وڏو، تان جو اڇِي ساماٿو. هاٺي هرروز مائٽن جا ڳڏهہ ۽ گهوڙا وٺِي جهنگ ۾ چارڻ ويندو هو.

انهيءَ جهنگَ ۾ هڪ ڏينهن ڪنهن رمتي، هرڻ جو شڪارُ ڪري، ان جو گوشتُ کائي باقِي آنڊا کٽِي ڪرڙن تِي ڦٽا ڪيا هئا. جڏهن جڏهن ڏکڻَ جو واءُ لڳندو هو تڏهن تڏهن اُنهن آنڊن مان اهڙو تہ من موهيندڙ آواز نڪرندو هو، جو پکِي پکڻَ ۽ ٻيا جِيوَ جنتر ڪنڌَ

نمائي، اچي ٻڌڻ ٻيهندا هئا. هڪ ڏينهن اُهو اواز وڃي ٻيجلَ جي ڪَنِ پيو. ۽ دليل ڊوڙائي، نيٺ سهي ڪيائين ته اُهو آچُرَجُ اُنهن آنڊن ۾ سمايل آهي. پوءِ ته آنڊا ڪٺي پنهنجي چنگ تي چاڙهيائين ۽ گُڙُ ڪڍي وينو ڪين وڄائڻ، اجان چنگ چوريائين ڪين ته مرن ۽ پکين جا ميڙ اچي متا. انهن مان ٻه چارِ هرڻ جهلي، مائٽن وٽ وٺي آيو. هاڻ روزُ اهڙيءَ ريتِ شڪارُ ڪري پيو پنهنجو ۽ مائٽن جو پيٽُ پاليندو هو. سندس سُرندي جي هاڪَ هرجاءِ پکڙجي ويئي.

جنهن وقت ٻيجل ڄائو هو، تنهن وقت راجا انيراءِ کي پڻ هڪ ڌيءَ ڄائي هئي. ڪيس ست ڏيئُون اڳيئي هيُون، سو ڪَڪِ ٿي، هن ڌيءَ کي صندُوقَ ۾ بندِ ڪري، ڪٺي درياءَ ۾ داخلُ ڪرايائين. صندوقَ وڃي راءِ ڏياچ جي سرحد مان نڪتي، جتي رتني نالي هڪ ڪنير کي هٿ اچي ويئي، ڪنيرُ جو اولاد لاءِ سڪايل هو، تنهن کي ههڙو ملوڪُ ٻارُ ڏسي ڏاڍي خوشي ٿي، سو گهرِ ڪٺي وڃي چوڄَ مان پاليائينسِ ۽ نالو رکيائينس سورٺ. جيتوڻيڪ رَتنو راءِ ڏياچ جي ملڪَ ۾ رهندو هو، ته به راجا انيراءِ سان ڏاڍو رستو هوندو هوسِ. جڏهن سورٺ ساماٺي تڏهن انيراءِ کي سندس حسنَ جي خبر پئجي ويئي، سو رتني کان ان جي سگَ جي گهُرَ ڪيائين، جا هن خوشيءَ سان قبُولُ ڪئي. جڏهن شاديءَ جو ڏينهن اچي ويجهو ٿيو، تڏهن رتنو هڪ وڏي ڄڃَ سنيرائي، ڏامِ ڌوُمِ سان اُتي شهر مان نڪتو. راءِ ڏياچ، جو اُن وقت پنهنجي محلاتِ جي دريءَ وٽِ بيٺو هو، تنهن جي نظرَ وڃي ڄڃَ تي پيئي. پڇا تي معلوم ٿيس ته رتنو پنهنجي ڌيءَ وٺي انيراءِ سان پرڻائڻ ٿو وڃي. اُها خبر ٻڌي ڏاڍا خارَ لڳس، سو پنهنجن ماڻهن کي حڪمُ ڪيائين ته "رتني کي ڪنهي ڌيءَ سميت وٺي اچو." جڏهن انهن کي آڻي حاضرُ ڪيائُون، تڏهن راءِ

ڏياچ رتني کي چيو تہ ”ڪميٽا! مون کي ڇڏي، پنهنجي ڏيءَ وٽ
تو ڌارين کي پرڻائين! هاڻي توکي بہ جواب تہ انيراءِ کي بہ جواب.“
ائين چئي سورٺِ کي وٽي وڃي حويليءَ ۾ ويهاريائين.

جڏهن انيراءِ کي هن حادثي جي خبر پيئي، تڏهن تپي باهہ ٿي
ويو ۽ وڏو لشڪر وٺي اچي جهوناڳڙهہ تي گهيرو ڪيائين. ٻارهن
مهينا جنگ پئي سان هٽي بيٺو، پر دال نہ ڳريس. آخر شهہ ڪائي موٽي
وطن وريو. پوءِ رتن ٽڪن جو ٿالهہ پري، ساري ملڪ ۾ ڦيرايائين تہ
”جيڪو راءِ ڏياچ جو سر وڍي آڻيندو، تنهن کي نہ فقط هيءُ ٿالهہ
ملندو پر ٻيو بہ جيڪي گهرندو، سو ملندس. بيجل جي زالَ ٿالهہ
وٺي رکيو ۽ ٻول ڪيائين تہ ”منهنجو مڙس ڀاڳيهي راجا جي منشا
پوري ڪندو!“

جڏهن بيجل گهر آيو ۽ ساري قصي جي سڌ پيس، تڏهن ڏاڍي
ڪاوڙ لڳيس، سو زال کي جهٽڪي چيائين تہ ”مصيبت پوئي، هيءُ
تو ڇا ڪيو؟ هاڻ جي وچن ۾ ولها ٿا پئون، تہ راجا اسان جو جڻ پڇو
پيڙائي ڇڏيندو!“ ٻيو ڪو چارو نہ ڏسي، بيجل پنهنجو سرندو
سينگاري، اتي جهوناڳڙهہ ڏي راهي ٿيو. بہ ٽي منزلون هٽي، نيٺ
هڪ ڏينهن نما شام جو اچي قلعي وٽ پهتو. پوءِ تہ چنگ ڪڍي،
وينو وڄائڻ، ۽ ساري رات تندون تنواريندو رهيو. سندس ساز جي
آواز سيني کي گهائي وڌو. راءِ ڏياچ، جو پنهنجي رنگ محل ۾ وينو
هو، تنهن جي روح بہ ريلو ڏنو، سو ڪوٽ جي دريءَ کان بيجل کي
پڪاري چيائين تہ ”مڱڻهارَ! گهر، جيڪي گهرڻو هجيئي.“ بيجل
وراڻيو تہ ”راجا مون کي توسان هڪ ڳجهہ ڳرهڻو آهي. اجازت ملي
تہ مٿي اچي اوريان.“ تنهن تي راءِ ڏياچ پنهنجي ماڻهن کي حڪم ڏنو
تہ ”چارڻ کي چوڏول ۾ چاڙهي مٿي وٺي اچو!“ هاڻ راءِ ڏياچ ۽
مڱڻي جي وچ ۾ ڪوبہ وسيلو ڪونہ رهيو، ٻئي خلوت ۾ ٿي ويٺا.

پيجل نڪي ڪچيو نڪي پچيو، سرندو ڪڏي وري بہ ويهي وڃائڻ لڳو. راءِ ڏياچ جو من اهڙو تہ موهي وڌائين، جو ڪيس طرحين طرحين جا انعام آڇڻ لڳو. پر بيجل هٿ جوڙي عرض ڪيو تہ "راجا مُون وٽ مالَ متاعَ جي ڪمِي ڪانهي. تنهنجي سخاوتَ جي ساراهہ ٻڌي، تو وٽ وڏِي آس رکي آيو آهيان. اِهو سِرُ، جو تنهنجي سرير جو سينگار آهي، تنهن جوڙِي سيڪڙُو تي آيو آهيان. اُميدَ اٿمِ تہ نانهن نہ ڪندين." راءِ ڏياچ کي اهڙيءَ اڻنگيءَ مڱَ تي نهايت اچرج لڳو، سو چيائين تہ "اي چارڻ! منهنجي متي مان توکي ڇا هٿِ ايندو؟ انهيءَ ڳالهہ تان لهي وڃُ. ڏسُ تہ آءٌ توکي ڪهڙا نہ ڌَهرا دانَ ٿو ڏيان، ساري عمر پيو کائين تہ بہ کٽڻ جا نہ آهن." بيجل سان جيڪي مٺا هٿڙا هئس، سي هنيائين، پر هُو نہ مڙيو. آخر بيو ڪو حيلو نہ ڏسِي پنهنجي هٿَ سان سرُ وڍي چارڻ کي اچلائي ڏنائين. چارڻ مٿو کڻي رمندو رهيو.

هن حادثي جيَ خبر هنڌين ماڳين هُلِي ويئي ۽ بيجل جي اچڻ کان اڳُ اِنيراءِ جي ڪنِ وجِي پيئي. جڏهن بيجلُ سرُ کڻي اِنيراءِ جي ڪچهريءَ ۾ آيو، تڏهن انيراءِ پويان ٿي ڏهڙ ڏيئي چيس تہ "ڪميڻا! جوفي وچان ههڙي سخا جي صاحب مان بہ نہ ڳُٿين، سو اسان سان الائجي ڪهڙا ڪلُور ڪندين. اڄ کان وٺي تُون اسان جي ملڪَ ۾ رهڻ جي لائق نہ آهين. هاڻي هڪدم هليو وڃُ. خبردارِ! جي منهنجي ملڪ ۾ وري پير پاتو اٿيئي." بيجل جا ڇَهہَ ٿِي ڇڄي ويا، ۽ پڻ وڻنگ جا وڏَ پوڻ لڳس. پنوءِ تہ متوالن وانگر جُهوناڳڙهہ ڏي ڊوڙندو ويو. جڏهن شهر جي ويجهو اچي پهتو، تڏهن ڏسي تہ باهہ جا مچَ پيا ٻرن ۽ سورٺِ ڏاگهہَ چڙهي، سَتِي ٿِي رهي آهي. پاڻ بہ ڏُوڪيندو مچُ ۾ ڪاهي پيو ۽ جلي ڀسمُ ٿِي ويو.

لِيلا چَنيسَرُ

راڻو ڪَنگهارُ، ڏِتَ ڏِٽي، هڪ نهايت حَشمت ۽ دبدبي وارو حاڪم ٿِي گذريو آهي. اُن کي ڪَوُنروُءَ نالي هڪ نياڻي هئي، جنهن جي هنڌ هنڌ هاڪَ هئي، ۽ اُن زماني ۾ سونهن ڪري سندس ڪو ثاني نہ هو. سندس مگٽو سَوتَسِ اتماديءَ سان ٿيلُ هو.

ساڳئي زماني ۾ سومري گهراڻي جي داسڙو شاخ مان هڪُ راجا، چنيسَر نالي، ديولِ ڪوٽ تي راڄ ڪندو هو. حسنَ ۽ دولت، شانَ ۽ شوڪت ۾ بينظير هو. انهن اوصافن ڪري سيڪا سهٽي سندس سهاڳَ جِي طمعدارِ رهنديُ هئي. هڪڙي ڏينهن ڪَوُنروءَ کي سندس سهيليءَ جَمنِيءَ چِٽرَ ڪري چيو تہ ”تُون جو هيترو هارُ سينگارُ پيئي ڪرين سو ڀانءِ تہ چنيسرَ سان چاهہُ رکيو اٿيئي؟“. هِن طعني ڪَوُنروءَ کي بيحال ڪري ڇڏيو، ۽ اڻ ڏنو چنيسر تي چرِي ٿِي پيئي.

اِن ماجرا جي جڏهن ماٿسِ مُرڪِيءَ کي ڪلَ پيئي، تڏهن سڏو وجي، پنهنجي پتارَ راڻي ڪنگهارَ کي خبر ڪيائين. چنيسر سان سگَ ڪرڻُ هڪ فخرَ جهڙي ڳالهہ هئي، سو راڻي کي هِيءَ ڳالهہ ڏاڍي گهڻي خوشِي ٿِي. پر دل ۾ سمجهيائين تہ جيڪڏهن ٿو ظاهرُ ظهُورُ سگَ ڇڪايان، ۽ چنيسر ٿو انڪارُ ڪري، تہ مفتُ ڳالهہ پکڙندي ۽ بدنامِي ٿيندي. سو ڀاڻَ ۾ پهہُ پچاياڻُون تہ چنيسر کي ڪنهن حيلي بهاني هٿِ ڪجي. نيٺ اِن نهراءَ تي بينا تہ ڪَوُنروُ ۽ ماڻس وڻجارڪو ويس ڪري، چنيسر جي ديسِ وڃي هُن کي ريجهائڻ جون رَمزُون رَچِنِ. سنت ٿِي مالُ اسبابُ ميڙي، وهٽ پلاڻي، وطنُ واري، پربت

ندي پار پئي، اچي ديول ڪوٽ ۾ ديرو دماياڻون. سانگي سان هڪ گلن واريءَ جو ساٿڻ سُنبڙ تي پيو. هڪ ڏينهن اُن سان اندر جو احوالُ اورينديءَ معلوم ٿين تہ سندن مقصد چنيسر جي وزيرَ جکري هٿان پورو ٿيندو. اُتي ٿيئي گڏجي، جکري جي جاءِ ڏي روانيون ٿيون. اُتي پهچڻ شرط، ڪَوُنروءَ ڪيس پنهنجي دردَ جو داستان سڻايو، ۽ پيرن تي ڪِري نيزاري ڪيائينس تہ "ڪنهن بہ ريت اُتي منهنجي واهرَ ڪر!" . وزير جي دل پڳي، سو ڍڙ دلاسو ڏيئي، چيائينس تہ "سائينءَ تي رکُ، مڙئي سٺائي ٿي پوندي. باکَ ڦٽڻُ بعدِ آءٌ چنيسر وٽ چڙهي ويندس، اُميدَ اٿم تہ توکي پاڻ وٽ آڻائيندو."
ايئن چئي ٿنهي کي رخصت ڏنائين.

صبحَ ساڻُ جکرو سنيري، شاهي محلاتِ ڏي راهي ٿيو. وڃُهہ وڃي، چنيسر سان ڪَوُنروءَ جي محبت جو ذڪرُ چوريائين، ۽ سندس سونهن سوڀيا جو اهڙو چٽو نقش ڪڍيائين، جو چنيسر جو هنيو البت هرکجي ويو. پر پنهنجي پٽَ راڻيءَ ليلا جو لحاظ ڪري، جکري کي جواب ڏنائين تہ "ليلا وِيني، بيءَ ڪنهن ڏاريءَ زالَ سان ناتو رکڻ نامناسب آهي، بهتر آهي تہ ڪَوُنروءَ کي ريهي ريبي وطن ڏانهن وارينس." جکري ڪَوُنروءَ جي پاران وري بہ ازحد آزي نيازي ڪئي، ۽ اکين ۾ آبُ آڻي، عرض ڪيائين تہ "ڪَوُنروءَ تي ڪا کهلَ ڪريو!" پر چنيسر پنهنجي قول تان بازِ نہ آيو. جڏهن جکري هيءُ نااميديءَ جو نياپو ڪَوُنروءَ ۽ ماڻسِ کي اَچي رسايو، تڏهن ٻنهي جا ڇهہَ ڇڄي پيا، ۽ اکين اکيان آنڊيون اچي وِيُن. آخر بيو ڪو اُپاءُ نہ ڏسي، رٿ رٿياڻون تہ "مال اسباب وڪڻي، ويس مٽائي، وڃي ليلا وٽ پورهيتون ٿي بيهون، تہ منَ ڪنهن موقعي تي، چنيسر کي تجويز ڪري، ليلان تان چِتُ ڪٽائي، پنهنجي پلئہ آڻيون." اِها ڳالهہ ڳئي

غريبائو لباس پهري، ليلا وٽ لنگهي ويُون، ۽ ليلائي چيائونس تہ "سانئڻ! زماني جي ڏولائڻ اسان کي هٿ رولي ٿولي آندو آهي، پئسو پنجڙُجو سانڻُ هئوسين، سو پنو ڏيئي ويو آهي. ڏٺي توکي پنهنجيءَ ٻاجهہَ سان وڏيري ڪيو آهي؛ جي هيٺن تي هٿُ رکيئي، تہ هرجُ ڪونهي. ٻئي هٿَ جوڻ سڄيُون آهيُون، امان اُٺڻ جي فنَ ۾ استاد آهي ۽ آءٌ وري گهرُو ڪم ڪار ۾ ڪَڙي تَڙي آهيان." ليلا کي سندن بيحاليءَ تي قياسُ آيو. ٻنهي کي هڪدم پنهنجُون خاص ٻانهيُون ڪري رکيائين. ڪؤنروءَ تي چنيسر جي سيج وڇائڻ جو ڪم ڏريائين. ۽ ماڻس مُرڪيءَ کي چنيسر جي پڳَ اُٺڻ جو امرُ ڪيائين.

وقت ويوگذرندو، مگر چنيسر سان وصالَ جو ڪوبہ امڪانُ نظر نہ آيو. هڪ رات نراسائيءَ وچان ڪؤنروءَ جي اکين مان اوچتا لڙڪ وهڻ لڳا. ليلا هيءُ رنگُ ڏسي ڪانئس روئڻ جو سبب پڇيو. ڪَؤنروءَ وراڻي ڏني تہ "سائڻ روئان ڪانہ ٿي، وٽ سوريندي، تيل هاٿو هٿُ اکين کي لڳي ويم، جنهن ڪري اکين ۾ پاڻي اچي ويم." ليلا کي هن ڳالهہ تي ويساهُ نہ آيو. ورجائي پڇيائينس آخر سچي ڪرٺي پيس، چيائين تہ "ڪو ڏينهن هو، جو آءٌ بہ تو وانگي هندورن وچ ۾ هوندي هيس. راتِ جو منهنجي نَوَ لکي هارَ وارا موتي ۽ هيرا رات جي چراغن جيان جرڪندا هئا. اُهي سِڪرَ ڏينهن ساريندي نيڻ پرجي آيم." ڪؤنروءَ جي ڳالهہ ليلا کي دلِ سان نہ لڳي. ٿابتي گهريائينس. ڪؤنرو سَٽَ ڏيئي پنهنجو نَوَ لکو هارُ دبلي مان ڪڍي آئي. اُن جي جهلڪي سان سارو محلاتُ ٻهہ ٻهہ ڪرڻ لڳو. ليلا، جا سُپاءَ جي چلولي هئي، ۽ مٿين سان محبتَ رکندي هئي، سا هارُ پسي، هرکجي ويئي، ڪؤنروءَ کي هڪلَ ڪري چيائين تہ "گهرُ

جيڪي گهرٺو هجيئي، رڳو اهو هارُ مون کي ڏي.“ ڪؤنروَءَ ورندِي ڏني تہ ”مُون وٽ مالَ متاعَ جي ڪمِي ڪانهي، فقط چنيسرَ سان هڪ راتِ رهاڻ ڪرڻ ڏينم تہ هارُ متانءِ گهوري ڇڏيان.“ ليلا، جنهن جا حوصلا هارَ جي هوسَ خطا ڪري وڌا هئا، تنهن هيءَ شرطُ هڪدم قبوليو، ۽ چيائينس تہ ”هاڻي وَڃي دلجاءِ ڪري ويهُ، رات جو اڌ پاڻيهِي چنيسر کي آڻي، تنهنجي ڪمري ۾ پهچائي ويندِيَس.“

قضاني، اُنهيءَ راتِ چنيسرُ درٻارين ۽ دوستن سان محفل ڪندي، نشي ۾ الُوٽُ ٿِي ويو. تڏهن لِيلا ڪيس خماريلُ ڏسِي، خوش ٿِي، پاڻيائين تہ هاڻِ چنيسر کي جٽن ڇونديس تٽن ڪندو. ڳراٽڙي پائي، لِيلايائينسِ تہ ”ويچارِي ڪؤنروَ تو لاءِ نالان آهي، اَڄ راتِ وڃِي اڪيرَ لاهينس.“ اگرچہ چنيسر پوري هوشَ ۾ نہ هو، تڏهن بہ اهڙيءَ اَڄ تي غيرت آيسِ، ۽ صفا نابرِي واري، وڌَلڻ لڳو. پر لِيلا ڪَن لاٿارَ ڪري، ڪيسِ هٿَ ڪان وٺي، ڪؤنروَءَ جي ڪمري ڏانهن ڪاهي ويئي. ڪَؤنروَ، جنهن جِي انتظارَ ۾ تارا تڪيندي راتِ وهامِي ويئي هئِي، سا چنيسر کي چترائي اندر وٺي ويئي. پاڻيڻُ بہ ڪو هڪيو تڪيو وينو هو، جنهن ٿَهہ پَهہ ويڏِي پڙهي، سندس ميڙائي جو موڪُ ڪيو. پر چنيسر، جو سرتِ ۾ نہ هئو، سو ڪيرو ٿِي پلنگ تي پئجِي رهيو. ڪؤنروَ ڪيسِ سجاڳُ ڪرڻَ لاءِ گهڻائِي متا مونا هنيا، پر ڪين وريو. متان اچي پرهہ ڦٽي ۽ پيچَ پِني.

چنيسرُ جان اکِ پَٽي، تہ ڏسي تہ ڪؤنروَءَ جِي پر ۾ ستو پيو آهيان. پاڻ کي اهڙيءَ اڻ سهائينديءَ حالتِ ۾ ڏسِي، ڏاڍِي بڇان لڳيَسِ. بستري تان لِهي، ڪمرو ڇڏي وڃڻَ تي هو، تہ مُرڪيءَ هڪلَ ڪري چيس تہ ”سائين! پنهنجي لاٿل لِڌيءَ کي ڇڏي ڪاڏي ٿا وڃو؟ ليلا تہ رات اوهان کي هارَ تي وِڪِي ڦٽو ڪيو!“

پوءِ مُرڪيءَ سارُو سماچار ڪري ٻڌايس. ٻڌڻ شرط، ليلا دل تان ڪري پيس. ڪوُنروءَ جو اهڙو قرب ڏسي، مٿس موهتُ ٿي پيو.

هن رُوئداد جي خبر جڏهن ليلا کي پيئي، تڏهن گهڻيئي ڪارُون وسَ ڪيائين، پر چنيسر کي نه آڻيا. آخر آسرو ڇڏي، ڏهاڳ جو ڏنءُ برسر ڪري، مائٽاڻي ملڪ رواني ٿي. اندر ۾ اُهائي آسَ هيس ته ڪنهن ڏينهن مڙيوئي چنيسرُ سندس مَدايون ميٽي، ڪيس پناهَ جو پاندُ ڏيئي، وري به مٿس مِهرَ جو هٿُ ڌريندو، پر ورهين جا ورهيه گذري ويا، چنيسر جي ورڻ جو پروئي نه پيو.

سانگي سان، جکري وزيرَ جو مڱڻو ليلا جي مائٽن مان ٿيلُ هو، جڏهن اُنهن کيٰ ليلا جي ڏهاڳَ جي پُروڙ پيئي، تڏهين سڳّ ڏيڻ کان صفا انڪارُ ڪيائُون. جکرو، جو محبت جي ڪڙيءَ ۾ قابو هو، تنهن وڏا وَسَ ڪيا، پر مڱَ جا مائٽ پڙُ ڪيو بيٺا. لاچارُ جکرو ليلا وٽ لنگهي ويو، ۽ وڃي ستايائينس، ليلا کي هن جي حالَ تي رحمُ آيو. چيائينس ته "جيڪڏهن چنيسر کي مُون وٽ هڪوارَ آڻيندين، ته پانهن مُون ڪان لهڻين." جکرو هيءُ شرطُ قبُولي ديولِ ڪوٽِ موٽيو. چنيسر کي هٿ ادب جا ٻڌي، عرض ڪيائين ته "جٺن وٽيوَ، تئن قدم رنج فرمائي، مُون مسڪين جي شاديءَ ۾ شريڪُ ٿي پنهنجو پاڻُ ڀَلايو"، چنيسر سندس عرض اُونايو، ۽ سات سان سنيرِي، ليلا جي سائيهَ ڏي روانو ٿيو. جڏهن جڃَ اچِي شهر کي اوڏي پهتي، تڏهن ليلا ۽ سندس سهيلُيون اکڙيُون ڪيي، راڻي جي آجيان لاءِ ناچُ ۽ ڳانو ڪنديُون اڳتي وڌيون. ليلا جو نازُ ۽ نخرو ڏسي چنيسرُ ڪيس سڃاڻڻَ ٻنان مٿس موهت ٿي پيو. چيائينس ته "اي نازنين! گهونگهٽُ کولي، منهن ته ڏيکارِ، پڪ اٿم ته جهڙو آوازُ منو اٿيئي، تنهن کان وڌيڪ منهنَ منو هوندءِ!" ليلا اکڙي لاهي،

چنيسر اڳيان نرواڻ تي بيٺي. هيءَ اوچتو لقاءُ چنيسر سهي ڪين سگهيو. اگرچه ظاهري طور، ليلا سان لاڳاپا لاهي ڇڏيا هئائين، تڏهن به هُنَ جي لنءُ جي لغارَ سندس دل ۾ هميشه لڳل هوندي هئي. هاڻي سندس رُوحَ اهڙو ريلو ڏنو، جو اُتي جو اُتي پران ڇڏيائين. ليلا پڻ هيءُ حالُ ڏسي، موڙيا تي ڪري پيئي ۽ مري محبُوبَ سان ميلو ڪيائين.

نُوري

سمي گهراڻي جي هاڪاري حاڪم ڄام تماچيءَ جي ڏينهن ۾ ڪينجهر ڍنڍ تي ڪي مهاڻا رهندا هئا. ڪن ٽڪي ڪي هيون اڌيل جايون ۽ ٽڪي ڪي هئا مال اسباب. اٽڻ ويهڻ، ڪائڻ پيئڻ، سڀ هوندو هون ٻيڙين تي. مرد ماڻهو مڇ مڪڙا موڙي يا ٻانڌين تي ويهي، مڇيون ماري، رڇن جا رڇ ڪلهن تي ڍوئي، آڻي مياڻين تي ڍير ڪندا هئا. مهاڻيون وري مڇين کي ڪاريءَ ۾ ڪٽي، واٽن تي وڃي وهنديون هيون، جتي انهن کي چيري، ٻيرا ٻيرا ڪري، گراهڪن کي وڪڻنديون هيون. سندن ٻار ننڍڙڪا ٽيو، سارو ڏينهن لُڏڙن وانگر پاڻيءَ ۾ ترڳندا هئا. ڀلا جن جو رات ڏينهن وهنوار ئي ڪڪين سان، تن وٽ اڄائي اجرائي ڪٿان آئي؟ اُلٽو وٽن گند جا گدام لڳا پيا هوندا هئا. ڪيرُ جو سندن ڀرِ ۾ ويهي سگهي؟ قضاني ڪنهن ڪمبخت جو پاندُ سندن پاندَ سان لڳي ويو ته ڳگرُ ڳگرُ پنڊا اڙيا، بدبوءِ ٻنهه نه لهي. جهڙا هُئن جسم گدلا تهڙا هُئن هڏ هيٺا. مهاڻن ۾ اهڙا ڪارا ۽ ڪوجها هئا، جو ڏٺي ڪراهت وٺيو وڃي. مگر وٽن هڪ نينگر هُئي، جنهن جي سونهن جي ڪهڙي ساراهه ڪجي! شڪل شبيهه توڙي هلت چلت ۾ مهاڻي مور نه هئي، ويتر انهيءَ ڪِن جي ڪُنَ ۾ آملُ ماڻڪ هئي. مُنهن مان اهڙو نوراني حُسنُ پيو بکندو هوس، جو ڪيس سڏيندا ئي "نُوري" هئا. ڄام تماچي شڪار جو نهايت شوقين هوندو هو. هڪ لڳا جيئن ٻيڙيءَ ۾ چڙهي، ڪينجهر ڍنڍ جو سير پئي ڪيائين، تيئن اوچتو سندس نظر وڃي نُوريءَ تي پيئي. نُوريءَ جي نيڻن ۾ اهڙو ته ڪو ڪامڻ هو،

جو ڪيس ڏسندي ئي جام مُورچا ٿي ويو. جڏهن موٽي محلات ۾ آيو، تڏهن هُن ڪان ڪي ٻه نه ٿي اُڃهيو، نُوريءَ جي ناز اهڙو ته سِجهائي وڏو هوس، جو اُن ڪان سواءِ ڪِنَ ٻه آرام نه ٿي آيس. آخر ذات پات جا وهمَ ڦٽا ڪري، نُوريءَ جي مائٽن کي سڏائي، ڪانئن سندس سڱَ گهريائين. مهاڻن جي ته الله ٻُڌي، سو وڏيءَ خوشيءَ سيان قبولُ ڪيائون. پوءِ ته شادمانا ٿي ويا. خزانن جا دروازا کُلي ويا. سونَ ۽ رُپي جُون رانديُون لڳي ويئون. هزارن جا هيرا ۽ لکن جُون لعلُون لُٽجي ويئُون. مهاڻن جو ٻه بخت ورِي ويو. ڍلُون ۽ محصولَ مڙئي معاف ٿي ويَنِ ۽ ساري ڪينجهر ڍنڍَ مٿن امدادَ ٿي ويئي. آخر جامَ نُوريءَ جي ٻانهن ۾ ٻيڙو ٻَڌي، اُٿي ڪيس راڻين ۾ راڻي ڪيو. محلات ۾ سائُنَ ڏاڍا سَهجَ ڪندو هو. ڪڏهن ڪڏهن ته محبت ۾ اهڙو مستُ ٿي ويندو هو، جو مورچَلُ ڪٺي ٻيهي مٿانئس هٽندو هو. وقتي ته ڪيس سانُ ڪري، ڪينجهر ۾ مڇيءَ جو شڪارُ پيو ڪندو هو. نُوريءَ کي ايڏي اوجَ ٿي ڏسي، ونسِ سوين سلامي ٿي ايندا هئا. خود سَميُون، جي مَنَ ۾ پيئُون ڇڇنديُون هيُون، تن کي ٻه سندسِ اڳيان نيچُ نوائڻو پوندو هو. پر اهڙي سُهاڳَ هوندي ٻه نُوريءَ جو منُ نه وڌيو. جي نازُ هوسِ ته نياز جِي ٻه منجهس ڪَمِي ڪانه هئي. گيربَ ۽ گاءَ جي ته بُوءِ ٻه ڪانَ هُيسِ. جام کي هيمشه اٿين پيئي چوندِي هئي ته ”آءٌ عيبن ڀري مسڪين مهاڻي آهيان، پنهنجا وڙ ڪري مُون نِيچ کي نوازئو اٿيئي. شال ڏٺي ڪندو، جو تنهنجو نينهنُ نِتُ نيبَهُ ٿيندم!“

چون ٿا ته هڪ ڀيري جام تماچيءَ جِي دل ٿي ته نُوريءَ جي نيازَ ۽ نئڙتَ جي پرکَ لهان، سو حويليءَ تي چوائي موڪليائين ته ”اڄ شام جو سڀيئي سهي سنيرِي ويهجو، پوءِ آءٌ اوهان مان جنهن

ڪي ڇتَ چاهيمِ تنهن ڪي پاڻ سان گڏ گاڏيءَ چاڙهي گهمائڻ وٺي هلندسِ.“ هيءُ نياپو سُڻي، سَميُون سينڌِ سرما ڪري، پاڻ ڪي سينگاري وينيون، ۽ هرهڪ ائين پئي سمجهيو تہ چام مون ڪي نوازيندو. نُوريءَ نڪو ڪيو هو هارُ، نڪو سينگارُ، اُتلو پنهنجو اباڻو وڳو اوڍي، نماڻي ٿي ويهي رهي هئي. چام مقرر ڪيل وقت تي حويليءَ اندر گهڙي آيو. سميُون اوچا ڳاٽَ ڪري، سندس آجيان لاءِ اڳتي وڌيون ۽ ناز نخرا ڪري ڪيس ريجهائڻَ لڳيُون، پر وريو ڄي ڪين. نُوري تہ ڪنڌُ هيٺ ڪري، نهٺائيءَ سان پئي نهاريو. ڏسڻ شـرطِ چام وڌي وتسِ ويو، ۽ ٻانهن کان وٺي وڃي گـاڏيءَ ۾ چاڙهيائينس. رات جو جڏهن گهمِي ڦري گهر موٽيا، تڏهن سيني راڻين جي روبرُو ڪيس پنهنجِي پَٽَ راڻِي پڌرو ڪيائين.

پنهنجو ٻُڻُ ياد ڪري، نوريءَ ڪي هميشہ اُڏڪو رهندو هو تہ ”متان چام تماچي ڪنهن ويرمون تان ڇتُ ڪٽي، وري وڃي سمين راڻين سان چاهُ رکي!“ اِنهيءَ ڪري پنهنجي سهاڳَ تي باور ٻڌهِ نہ ڪنديِ هئي ۽ سدائين نماڻي ٿي، چام ڪي پَئي ٻاڏائينديِ هئي. اهڙيءَ ريت، اِنسان ڪي ٻہ، پوءِ ڀلِ تہ هُو خدا جو ڪهڙو بہ لاڏلو هجي، هردمُ آزِي نيازِي ڪرڻ جڳائي.

سنڌو

مان اُنهيءَ عظيمُ ماءُ، مانسَرور ڍنڍ، جيَ ڄائي آهيان، جيڪا لافاني هماليي جي عظيم پهاڙن ۽ اُنهن جي آسماني چوٽين جي وچ ۾، آدَ ڪان وٺي، هڪ بي انت سوچ ۽ ويچار جي دنيا ۾ گمُ رهندي پئي آئي آهي. اُهي شاهاڻا پهاڙ منهنجي اُن ماناءُتيءَ ۽ مانيٽيءَ ماءُ جي حفاظتَ ڪن ٿا، جتي هر شيءِ خاموش آهي، جتي ڪنهن بہ قسم جي ڪا ٻُڪَ ڪانهي، جتي حسنُ ۽ حيرت، اثر ۽ طاقت، پوترتا ۽ پاڪيزگيءَ جي هڪَ گنڀيرِ، دل ڏارينڌڙ، پيانڪ دنيا آهي، قدرت جي هڪ لاجواب ۽ لازوال چترڪاري آهي! اُن جي نُوراني نرمَلتا ايڏي تہ آبَ تابَ ۽ اثر واري آهي، جو خُود مان، سنڌُو، پڻ اتان ڪسڪي وڃان ٿي تہ متان قدرت جي هِن بيچُون ۽ بيمثال نظاري جي بي عيب جُڙَتِ ۽ بَناوتَ کي ڦٽائي نہ وجهان! پوءِ مان زندگيءَ جي رُوحَ کي پنهنجي ساهہ سان سانڍيندي، رستي جي هينانهيُن مٿانهيُن، جبلن ۽ ٽَڪرن، ڇُرن ۽ غارن مان ڇَلانگَ هڻندي، وڏيُون وڏيُون برانگهُون پريندي، ٽپندي ۽ ڪُڏندي، نڪري ٻاهرِ ميدانن تي نروار ٿي ٿيان! برف جي ڇِپُن ۽ پهاڙن، جهنگن جَهرن، ٻيلن ۽ چراگاهن، وٽراهن ۽ وٽڪارن جي وسيع ميدانن ۽ پٽَن مان، اُسَ ۽ چانڊوَ مان، ڪڏهن تيز ۽ تکڙي، ڪڏهين مانيٽي ۽ آهستي، ڇپُن کي ڇَيندي، پٿرن کي لوڙهيندي، ڊاهيندي، ۽ ناهيندي نيست ۽ نابُود ڪندي ۽ وري جياريندي، لهرين پويان لهريُون هڻندي، پکڙجي ۽ ملڪن کي پائيندي، موجُون ماريندي، وڌندي وهندي وڃان ٿي! مان آهيان "سنڌُو" جيونَ جي نشاني ۽ زندگيءَ جي علامت!

پنهنجي هن جوکائتي سفر ۾، مان پيلي پوشاڪ پهريل ڏرماتما

لامائن کي همالیي تي، معصُومَ ۽ ابوجهہُ ڪشميري ڪنٺارين کي پنهنجا ڌڻَ چاريندي، ماڪِيءَ کان منڙين هيرُن کي پنهنجن رانجهن لاءِ ڏوهيڙا ڏيندي، صُوفين ۽ سنتن کي وچوڙي جي ماريل سَسُئين جُون بيشمار ڪافيُون ڳائيندي، ٻُڌندي ۽ ڏسندي آهيان. جيئن ئي راتيُون پنهنجي ڪاراڻ جي چادرَ ڌرتيءَ جي مٿان وڇائي ڇڏينديُون آهن، تہ تارن ڀَريٖي آسمان هيٺ تڪا ماندا ڪڙمي ۽ ڪاشتڪار منهنجي ڪناري تي اچي آرامُ يا بندگي ڪندا آهن. ننڍا ٻارڙا سمهندا يا کيڏندا آهن، ۽ اَپرا ۽ ضعيف مانجهي ۽ مهاڻا مٺيُون ۽ سُريليُون ڪافيُون ۽ گيت ڳائيندا آهن. آءٌ اُنهن سڀني کي پنهنجي سيني تي پالي نپائي وڏو ڪريان ٿي. هُنن جو مُون سان پيارُ آهي، هُو مون کان ڊڄن بہ ٿا، ڇاڪاڻ تہ مان "سندو" آهيان، اُنهن ئي وانگر مهربانِ ۽ دياوانِ بہ ۽ چيڙاڪَ بہ. مان ڪيترن ئي جڳن کان هُنن جي واقف آهيان، مُون کي اڄان تائين اُنهن جا بدلجندڙ چهرا، اُنهن جو ننڍپڻُ، نينگرائپَ، ڦوهہُ جواني، پيري ۽ نِستائي ۽ ڏٻرائپَ، سڀ يادِ آهن. مان هِنن سڀني کي سڃاڻان ٿِي.

مان اُنهن جي باري ۾ توکي سڀُ ڪجهہُ ٻڌائي سگهان ٿِي. مان توکي اڳي اڳي جُون ڪهاڻيون ۽ قديمُ زماني جا قصا، ۽ بادشاهن ۽ راجائن، فاتحن ۽ حڪمرانن ۽ اُنهن جي زندگيءَ جي لاهن ۽ چاڙهن، دکَ ۽ سکَ جا سمورا داستانَ ٻڌائي سگهان ٿِي- اُهي قصا، اُهي داستان، اُهي افسانا، جي تو اڳُ ڪڏهن بہ شايد نہ ٻڌا هوندا. مان توکي اِهو سڀڪجهہ ڏيکاري سگهان ٿِي، جيڪي مُون ڏٺو........ ڇگو، هاڻي هيڏانهن نهار! اِجهو هُو سامهون هُنن جو شانُ ۽ هنن جي عصمتَ ڏسُ. اِهو آهي مُهين جو دڙو! مرد پنهنجين ٻنين ۾ هر ڏيئي

ڪيتي ڪري رهيا آهن، زالون پنهنجن خوشحال گهرن جو ڪم ڪار ڪري رهيون آهن، ۽ ٻارڙا راندين ۾ مشغول آهن. سڀ سکيا سهنجا، خوش ۽ آباد. هنن جا گهر نهايت ئي سهڻا ۽ سلسليوار آهن. هنن جي بازارين جي ڏوڪ ڏوڪان، گوڙ ۽ هُلَ ڪي ڏس! پوءِ وري هڪ وحشي قوم جو ڪٽڪُ اچي ٿو: اِهي قداور ۽ خوبصورت ماڻهو آهن: هُو اچن ٿا، ۽ هُنن اچڻ شرط بيرحميءَ سان قتل عام ڪري ڏنو. مردَ ڪري ۽ مَري رهيا آهن. عورتون لِڪَڻَ جي ڪري رهيون آهن ۽ ٻارڙا ڦڙڦوٽ پوڻ ڪري ريهون ڪندا پِجي رهيا آهن! ۽ وري نما شامَ جي منهن اونداهيءَ کان اڳُ سڀ ماٺِ ٿي ويئي، ٿئون ڏينهن ايري ٿو. هڪ نئينءَ تهذيب جنم ورتو آهي. چوته اِهو قدرت جو قانون آهي!.... هاٿي ٻڌو! پريان هو ڏڏڪيدارُ نغارن جو گجندڙ آواز ٻُڌُ! هُنن جي صورتَ ۽ طاقتَ، جاهہَ ۽ جلال کي جاچ. اِهي سنڌ جي راجائن جُون سنستائون آهن، جن کي مهاڀارت لڙائيءَ ۾ پانڊون خلاف ڪورون جي مدد لاءِ موڪليو ويو آهي. هُنن جي عجيب غريب ويسن وڳن، هٿيارن پنوهارن ۽ رٿن ڏانهن نهارِ وري هُنن کي غائبُ ٿيندو ڏسُ، جيئن ڏُوڙيو مٿي آسمان ۾ گم ٿي ويندو آهي!.... ۽ هاٿي وري هُو نوجوان جنگي جوڌو سڄيءَ دنيا کي فتح ڪرڻ جي خواهش دل ۾ ڪٽي نمُودارُ ٿئي ٿو. هُن خيبر کي فتح ڪري ورتو. هو هاڻي جهلم جي پورس راجا کي شڪست ڏيئي اڳتي وڌي رهيو آهي. هُن جي خُوبصُورتَ چهري ڏانهن نهار، ۽ هُن جي مٿي تي زرهہَ جي رڪَ واري جهرڪندڙ ڪلنگيءَ ۽ هن جي ڊگهيءَ ٻن ڌارين واريءَ ترار کي جاچي ڏسُ. هُو وڙهيو ۽ هن فتح حاصل ڪئي. مگر هن جو بي انداز لشڪر گهڻي وقت تائين وڙهڻ ڪري هاڻي ٿڪجي ماندو ٿي پيو آهي. هتي هو پنهنجن خوابن کي

ڪوڙو ثابت ٿيندو ڏسي، مري وڃي ٿو. ۽ هن جا هٿ خالي ۽ اڪيون ڪليل رهجي وڃن ٿيون! هائي نهار.... سندس جرنيل، نيروڪس، واپس ورڻ جي سفر لاءِ آرماڙ کي گڏ ڪري رهيو آهي. ۽ هي پڻ هليا ويا! ......هاڻي وري سفيد چمڙيءَ وارا "هُوڻ" لوڪ حملو ڪن ٿا...... بي رحم ۽ قاتل..... هُو واڇوڙي وانگر تڪڙا اچن ٿا، ۽ ملڪ کي ڦريندا ۽ ساڙيندا، چوڌاري پٽن تي پکڙيا وڃن ٿا، جيئن مان موجُون ماريندي ميدانن کي ٻوڙيندي ويندي آهيان. پر اُهي سڀُ ڪٿي آهن؟ هليا ويا...... سڀ هليا ويا، اوندهه انڌوڪار ۾، موت جي اونداهيءَ واديءَ ۾. پوءِ ٿوريءَ مهل تائين سڀُ ماٺِ تي ويئي. هيءَ سرزمين مانيٽي آهي. آسمان تان گردُ ۽ غبارُ صافُ ٿي ويو، ۽ پوءِ هڪ اجنبي مست واٽهڙو اچي ٿو. هيءَ هڪ چيني مسافر آهي، هيُون سيانگُ، جيڪو علم ۽ سوجهري جي ڳولا ۾ رُلي رهيو هو. هن کي سوجهرو ملي وڃي ٿو، ڇاڪاڻ تہ هتي جيڪو بہ اُن جي ڳولا ڪري ٿو، اُن کي پائي ٿو. اُنهن ڏينهين، سنڌ جي هيءَ سرزمين علم ۽ سوجهري جي کاڻ هئي. ڪيترائي ماڻهو پنهنجن ڏورانهن ماڳن تان علمَ جي تلاش ۾ هتي ايندا هئا. ...... جڳَ لنگهي ويا؛ سوجهرو ۽ اونداهي..... اونداهي ۽ سوجهرو ..... سوجهرو ۽ اونداهي...... پر، زمانن کان پوءِ وري بيا ماڻهو آيا، جن هن زمين تي علم ۽ سوجهري جي نئين شمع آندي. هو عرب جي ريگستان مان اُبريا ۽ دنيا تي ڇانئجي ويا، ۽ آفريڪا ۽ هندستان جي اونداهين ڪُنڊُن کي علم جي سوجهري سان روشنُ ڪري ڇڏيائون .... هن جوشيلي عرب محمد بن قاسم ڏانهن نهار! هُن جي ڳجندڙ منجنيقن ۽ طاقتور ڪانيائين کي جاچ! هُن سڄيءَ سرزمين کي فتح ڪري ورتو. ۽ هاڻي هُو سڄي ملڪ تي حڪمُ

هلائي رهيو آهي. ڏاڍو پيارو ۽ عزيزُ آهي. جوتہ جنهن وقت هُو موڪلائي وڃي ٿو، هُن جا هِي نوان دوست هُن لاءِ رڙن ۽ روئن ٿا. هن ڪان پوءِ شوخُ ترڪَ، قداور تاتارِي، مغلَ، پٺاڻَ ۽ انگريز اچن ٿا..... هُن جي پڳل ترارين، ۽ قتيل رت ڳاڙيندڙ دلين ڏانهن نهار!..... ۽ هاٿي هِن سمن ۽ سومرن، ڪلهوڙن ۽ ميرن ٽالپرن جي بهادرِيءَ ۽ اُنهن جي پلائيءَ پريل پيشانين ڏانهن ڏس ۽ سندن فضيلت ۽ شان ڪي ڏسُ. ۽ پراچين ديبلِ، برهمڻ آبادِ ۽ قديم منصوري ۽ محفوظ ڏانهن بہ نهارِ! اُهي فنا ٿِي ويا، ۽ هِن وقت سندن نشانُ بہ ڪونهي، پر مان اڃا تائين اُنهن جُون پيهہ پينهان واريُون بازاريُون، نون رنگن ۾، نون چهرن سان، ڏسِي رهِي آهيان. مان اڃا تائين پنيورَ ڏانهن لُڙهندي، ننڍڙيءَ سسئيءَ جو پينگهو پنهنجي ڪناري تي لڏندو لمندو ڏسِي سگهان ٿِي. مان پنهُونءَ کي ڪيچ جي جبلن ۾ ڏسِي سگهان ٿِي، جنهن کي سندس دغاباز ڀائر، دوهہ ڪريو، اٺَ جي پٺِيءَ تي ٻڌيو چاڙهيو وٺيو پيا وڃن. ۽ اِجهو هو پريان عمرڪوٽ جون مغرُورُ محلاتُون نظر اچِي رهيُون آهن، جن مان وِچڙيل مارئيءَ جي آهُن ۽ زارين جو پڙاڏو اچِي رهيو آهي. مان اڃان تائين هن جي سوزَ ۽ فراقَ کي ٻڌِي سگهان ٿِي! .... هُو پريان...... پٽَ تي ..... سهڻو سيد لال لطيف پنهنجين منڙين لاتين ۽ روحانِي راڳن ۾ مست وينو آهي. هِن وقت هو ڪونهي پر مان هُنَ جا درد پريا بيت ۽ منڙا ڪلام اڄ بہ ٻڌِي سگهان ٿِي. مان اڃان تائين ڪيس امڙو چئو ٻڌِي رهي آهيان، جهڙو هن کي جيئرو ٻڌندي هيس. هُو هڪ لافانِي رُوحُ، وسيع ۽ اُتم سخِي ۽ ٻاجهارو، جذباتي ۽ مهربانُ آهي. هُو هڪ خوبصُورت، قداور ۽ خوش اندامُ آهي. جيئن هو پنهنجُون منَ موهيندڙ ڪافيُون ڳائي ٿو، تيئن هن

جُون گولُ گولُ ڪاريُون اڪيُون چمڪن پيون، ۽ جڏهن هُو ڏڪارَن ڏوتين ڪي دعائُون ڪري ٿو، تڏهن هن جو چهرو ٻهڪي اُٿي ٿو. هُو مُون سان مخاطب ٿِي ڳالهائي ٿو، ڇاڪاڻ تہ مان هُن کي سمجهي سگهان ٿِي، مان هن کي ڪڏهن بہ وساري نہ ٿِي سگهان. مون فاتحن جي سوارين کي ايندي ۽ ويندي ڏٺو، پَر سندُ جو فاتحُ فقط هُو شاهہُ ئي آهي، جيڪو ڪڏهن بہ فنا ٿي نٿو سگهي، ڇاڪاڻ تہ بيا فاتح زمينُون ۽ ملڪ فتح ڪن ٿا، پر هِن ماڻهن جي دلين تي فتح حاصل ڪئي آهي، ۽ هِن جي نينهن جو نياپو، هن جِي سهڻي سڳندَ پرِني سارُوڻِي، اَمَرُ آهن.

هو منڙِيءَ سنڌ ۾ الاهِي افضل ڳالهيُون ڳائي ٿو. پنهنجي من موهيندڙ ڪلام سان هُو ماڻهن جا رخ ڦيريو، تقديرُون ۽ قسمتُون بدلايو ۽ روح کي دائمِي راحتَ ڏيو ڇڏي.

هُن جي ڏينهن ۾ ماڻهو ننڍڙين ڪکاين جُهوپڙين ۽ چونئرن ۾ گذارين ٿا. منجهانئن جيڪي سکيا ۽ شاهوڪار آهن، سي حوضن ۽ مچين جي تلائن سان سينگاريل اوچن گهرن ۾ رهن ٿا، پر مان اُنهن جي گهرن ۾ قرب ۽ اتساهہ گهٽ ڏسان ٿِي. مان پنهنجن اُنهن غريب مارُو ماڻهن کي پسندِ ڪريان ٿِي، جيڪي واهڻن ۽ ننڍڙن ڳوٺڙنَ ۾ گذارين ٿا، جتي وچ ۾ هڪ ننڍڙِي صاف سُهڻي مسيتِ آهي، جنهن جي ننڍڙن منارن تي مؤذن چڙهي عبادتگذار بندنِ کي پنهنجي مولا جي بندگِي ڪرڻ لاءِ سڏيندو آهي، جتي هڪ سرهاڻِ پکيڙيندڙ سهڻو مندَر آهي، جنهن جي سُريلَن گهندن جي مَدُر آوازن تي پُوڄارِي سويرَ گهرن کان پُوڄا لاءِ ٻاهر نڪرِي ايندا آهن. جڏهين هُنِ جي گهرَ جا وڏا ڪمُ ڪن ٿا يا عبادت ڪن ٿا، تڏهن زالُون ڪچهرِي

لايو ٿهہ ٿهہ پيون ڪن، ۽ ننڍڙا من موهيندڙ ٻارڙا وري لڪلڪوٽي ۽ اِتي ڏڪرُ راند پيا رهن. هرڪنهن گهر کي پنهنجي مال لاءِ پنهنجو واڙو آهي، ڇاڪاڻ تہ سنڌي مال کي پيار ڪندا آهن.

هن ديسَ جا سپوتَ هميشه کلمک ۽ خوشمزاج طبيعت جا صاحب ٿِي رهيا آهن. ڪُم ڪاڄُ، پيارُ ۽ محبتَ، کِلَ ۽ خوشِيءَ، لئي ۽ رس جا ڪوڏيا. ميڙن ۽ ملاکڙن لاءِ هن جو شوق ۽ پيار ملڪان ملڪ مشهور آهي. سندن عيدُون ۽ هوليُون گڏجي گذرن، ۽ اُنهن موقعن تي وڏن وڏيون وڏيُون دعوتُون ۽ مجلسُون، گڏجاڻيون ۽ ڪچهريُون ٿينديُون آهن. سندن زالُون، مائرون ۽ ڀينرون مِنايُون ۽ گل ورهائينديُون آهن. اُهي پنهنجين ٻانهن ۾ عاجَ جُون ٻانهيُون ۽ وڏا چوڙا پائينديُون آهن. وٽن هر چنڊ واري مهينيَ جو پهريون جمعو ۽ هر سُهائو سومارُ نهايت ئي وڏيءَ ڌامِ ڌومَ ۽ مزي سان ملهايو ويندو آهي. جڏهن وسڪارو ۽ برساتُون پونديُون آهن، تڏهن ڳوٺن کان ٻاهر مجلسُون ۽ محفلُون ڪيُون ويندُيون آهن، جتي يڪتاري ۽ گهڙيَ تي سُرِيلا ڪلامَ ۽ ڪافيُون ڳايُون وينديُون آهن. اڄ بہ مان پنهنجين اکين سان هُن جا رنگ برنگِي ناچ ڏسي رهي آهيان، ۽ تنهن زماني ۾ بہ بلڪل اڄ وانگي، سگهڙن شاعرن، پنهنجي ملڪ جي سونهن سوڀيا، حسن ۽ نزاڪت منجهان ئي پنهنجي شاعريءَ جا مواد ۽ موضُوع حاصلُ ڪيا. هِن منهنجي اُٺُن ۽ سيلاني مچين پلن، واڳن ۽ سيسرن، ۽ منهنجي پوراليءَ طبيعت جي هر رُوپ رنگ کي پنهنجي شاعريءَ ۾ قلمبندِ ڪيو. هِن هِن ديس جي اُٺن ۽ اوٺيڙن، جتن ۽ جهانگيڙن، لڏن ۽ قافلن، ڪارن ڪڪرن ۽ زرد رنگ بيابانن، ميهارن ۽ ريڍارن، ۽ ڇهڄ چراگاهن کي پنهنجي شاعريءَ ۾ آندو. هِن هِن

ديس جي لَيُن ۽ لائن، ڪندن ۽ ڪانديرن، ڪرڙن ۽ ڪبڙن تي بيت
چيا. هن هِن سهڻي ديس جي انهن نارين کي ڳايو، جن جي ڪُونج
جهڙين ڏگهين ڳچين ۾ چانديءَ جُون مالهائُون ۽ هَس، ۽ سنهڙين
ڪاراين ۾ ڪنگڻَ ۽ ننڍڙن نازڪ پيرن ۾ ڪڙيُون ۽ پازيبَ پهريَل
آهن، سندن مٿي تي واسينگ نانگَ جهڙن پنئور جهڙن ڪارن وارن
جُون پيچدارُ چڳُون ۽ گهنڊيدارُ ڳُتُون نڪتل آهن. ۽ سندن مرگهه
جهڙيُون ڪجلدار ڪاريُون اکڙيُون مشعل وانگي ٻَري رهيُون آهن.
شاعرن حسين نارين جي پيارن مڙسن ۽ پريمين جي اُنهن پٽڻ ۽ پيڙن
کي پڻ ڳايو، جيڪي وڻجارن سنڌوڪين کي ورهين جي وڇوڙي
کان پوءِ واپس ماڳ موٽائي وٺي آيُون. هُن، گهر ڏيائين جي گهرڙن،
چرخن ۽ آتڻن کي پڻ ڳايو........ مطلب تہ سنڌ جي هِن سداحيات
سگهڙن شاعرن، پنهنجيءَ سباجهيءَ سونهن ونديءَ سنڌ جي هر
ڳالهہ ۽ هر ادا کي، هر دفعي ڳايو.

ڌرتيءَ جي ڪيڙيندڙ هارين پورهيو ڪيو ۽ پگهر وهايو، ۽ زميندار
۽ شاهوڪار انهن جي پگهرَ واريءَ خسيسُ ۽ توڙڙيءَ ڪمائيءَ کي بہ
ڳهندا، ڳڙڪائيندا مچندا تلها ٿيندا ويا ۽ غريبن کي ٿُونها هڻندا
رهيا، مگر مفلسيءَ جي هر حال ۾، آسيسن ۽ دعائن حاصل ڪرڻ
لاءِ هُن پيرن ۽ سيدن سڳورن جي رڪيبن ۽ لغامَ جي واڳن کي هر
وقت چمي سيني سان لڳايو. سنڌ جي لافاني شاعر، شاهہ، هِن
سيني کي پنهنجي ڪلام ۾ ڳايو، ڇاڪاڻ تہ هُو هِن جو.هو. مان
اڄان تائين هُن جي روحاني ڪافين ۽ ڪلامن کي ٻڌي سگهان ٿي.

مان آهيان ٻلوان ۽ زور واري سنڌو!..... مان پاڻ سان ڌاڻ
رکڻ واري کي اڇلايو ڇڏيان. جن مون سان شرط رکي، اُنهن هميشه

راند هارائي. جن بہ مون سان سينو ساهيو پاڻ کي نيست ۽ نابُود ڪيائُون. پر شاهہ مون کي مائو ڪري ڇڏيو. مُون هن جي آسپاسِ شانتي ۽ پيارُ حاصلُ ڪيو. مان هن جي دل جي گهرائپ ۽ شاعريءَ جي روانيءَ سان محبت ڪريان ٿي. مان هن جي مٺي ڪلامَ تي قربانُ آهيان. هُو ڪيترو نہ مُون جهڙو ۽ ڪيترو نہ مون کان اعليٰ آهي!

اوهان جي هِن ملڪ ۽ اوهان جي ڪَڇي وارن ميدانن جي هِن زمينَ ڪيترين ئِي صدين تائين پنهنجن مائهن کي لنگهڻ ۽ فاقا ڪڍارايا، ڇوتہ پاڻِي ڪونہ هو. منهنجو پاڻي ڪيترن ئي ويران برن ۽ ساڙيندڙ ميدانن کي آباد ڪري سگهيو ٿي. پر وقت جي راجائن ۽ فاتح حڪمرانن ڪا خاص پرواهہ ڪانہ ڪئي، انهن مان ڪن ٿورڙن کي ننڍا ۽ نماڻا واهہَ کوٽايا ۽ ٿوري ئِي عرصي کان پوءِ منهنجي لٽ ۽ ريت جي واريءَ انهن کي لٽي ڇڏيو. اڄ پهريون دفعو اِنهن مائهن لاءِ چاهہ پريل، سچيءَ پچيءَ دل وارِي ڪوشش ڪئي ويئي آهي، جيڪي منهنجي نالي پويان سڏجن ٿا. سکر وٽ هڪ زبردست بئراج منهنجي پيٽ ۾ سوگهو بيٺل آهي. آءٌ اوهان کي اوهان جي ڪم ۾ ساٿڙو ڏيئي رهِي آهيان، ڇاڪاڻ تہ منهنجو اوهان سيني سان پريمُ آهي ۽ اِهو اوهان جي ئِي فائدي لاءِ آهي. ڪوٽڙيءَ وٽ پڻ اوهين منهنجي پُل واري گهوڙي تي نَوَن سنجن وجهڻ جي ڪوشش ڪئي، ۽ مون اُنهيءَ لاءِ اوهان کي اجازت ڏني. پنهنجي زمينن ۽ ٻنين کي آباد ڪريو، مان ڇوانوَ ٿِي، سونهري ڪڻڪ پيدا ڪريو، کيڙيو ۽ کائو، پيئو، پهريو ۽ خوشِ گذاريو! مان اوهان کي نہ روڪينديس. منهنجو پاڻِي ڪٽِي وڃو، ۽ مون کي اُهي قديمَ ۽ اڳي اڳي وارا خُوشيءَ جا ناچ ۽ راڳ رنگ ڏيکاريو! مون کي اُهي ٿهڪ ٻڌايو جيڪي دلين مان

اڌما ڏيئي نڪرندا هجن. مان اوهان کي سيڪجهہ ڏيئي ڇڏيندس، جيڪي ڪجهہ مون وٽ آهي.... ۽ مون وٽ اِن ڪان تمام گهڻو آهي، جيتري جي اوهان کي گهرجَ آهي. ڇاڪاڻ تہ مان آهيان بلوانِ ۽ طاقتور سنڌُو..... مان آهيان اجيت ۽ امر سنڌُو....... مان آهيان اٽڪ، مان آهيان جِهلمُ، مان آهيان چنابُ، مان آهيان راوِي، مان آهيان بياسُ، مان آهيان ستلج ..... مان آهيان مهراڻ، اِنهن سڀني جِي اُپت ۽ جوڙَ! مان آهيان سنڌو..... مان آهيان مها بلوان، اجيت ۽ امر سنڌُو.

شاه ڪريمؒ

تون ڇَو الله هيڪڙو، وائي ٻي مَ سِکُ،
سچو اکرُ من ۾، سوئي لکيو لِکُ.

پريان سندي ڳالهڙي، جي ڪو ٻي ڪري،
مت منهنجي ڪَنِ ڪر، تَنهن کي جاب نہ ڏي.

هِنيون ڏجي حبيب کي، لِڱَ ڳڏجن لوڪَ،
ڪُڏيون ۽ ڪِروتيون، اِي پڻ سڳر ٿوڪَ.

وَرُ سا سُڃي ويڙ، جتي سڄڻ هيڪڙو،
سو ماڳوئي ڦير، جتي ڪوڙِ ڪُماڙهئين.

جي پِڇَڻا سي نہ منجهڻا، جي پڇن سي وِيرَ
جو لکَڻ ۾ ماڻهوين، سو ڪُلکڻ ۾ ڪير.

تان ڪِي ڳوري چُلُ، جان لاڙائو سجُ ٿئو،
هاڙي ڏاري هلُ، وجي هوتن جو ٿئو.

شاهعبداللطيف ڀٽائي رحه

اول الله عَلِيمُ، اعليٰ عالم جو ڌڻي،
قادِرُ پنهنجي قُدرت سين، قائم آه قديمُ،
والِي، واحدُ، وحَدهُ، رازِقُ، رَبُ رحيم،
سو ساراهِ سچو ڌڻي، چَئِي حَمدُ حڪيم،
ڪري پاڻ ڪريمُ، جوڙُون جوڙ جهانَ جي.

جوڙي جوڙَ جهانَ جي، جڏهن جوڙيائين،
خاوند خاص خَلقي، مُحمدُ مڪائِين،
ڪلمو تنهن ڪريم تي، چتو چاياڻين،
انامولالڪ وَ اَنتَ مَحبُوبِي اِي اُتائين،
ڏِکي ڏناٿين، ٻئي سرائُون سيد چئي.

جوڙي جوڙ جهان جي، جڏهن جوڙياڻين،
خاوند خاص خلقي، محمد مڪائين،
ڏکي ڏناٿين، ٻئي سرائون سيد ڪي.

وحده لاشريڪ لهُ، جان تو چئين ايئن
تان مَڃُ محمد ڪارڻي، نرتون منجهان نينهن
تان تون وڃئو ڪيئن، نائين سر ٻين کي

وحده لاشريڪ له، جڏهن چيو جن،
تن مڃيو محمد ڪارڻي، هيجا ساڻ هنين،
تڏهن منجهان تن، اوتَڙ ڪونہ اولئو.

وحده لاشريڪ له، جن اُتو سين ايمان
تن مڃئو محمد ڪارڻي، قلب ساڻ لسان
اُو فائق پہ فرمانَ، اوتڙڪنهن نہ اولئا.

وائي

اکيون ميگهہ ملار، صورت تُنهنجي سڀ جڳُ موهيو.
سجدو فِيلَ في الحال ڪيو، پسي مُطلِبَ نُورُ نراڙ
چاپِّڻَ وقتِ چام جي، ڪريا ڪُنگرا ڪوٽ ڪُفارَ،
صورت تنهنجي سڀ جڳُ موهيو.
آگي سَبُ اُين جو، توکي ڪاريو سيرُ ستار
والسوف يُعطِيک ربڪ، توسين قادرَ ڪيا قرار
صورت تنهنجي سڀ جڳُ موهيو.
قادر پاڻَ قَسَم ڪيا، خاڪ قدَمَنِ جا ڪلتارَ
آهن ڪرم ڪريم جا، احمد ساڻ اپار
صورت تنهنجي سڀ جڳُ موهيو.
اُڪنديا جي ابَرڪي، سَرَها ٿِيا سي سنگهارَ
موڪل ٿي مينهن ِ ڪي دوس هٿان دِلدارَ
صورت تنهنجي سڀ جڳُ موهيو.

مخدوم محمد هاشم ٺٽويؒ

محبت مڇ مجاز جا، دل ۾ داغ ڏکن،
مَنَ مونجهارا مُون پرين، وير نہ وسرن،
سنجهي صبح سامهان، اڳيان اکڙين،
راتو ڏينهان روح ۾، ميڙو محبوبن،
ڪامي دل خمار ۾، لوچي لئہ پرين،
سُکھہ سات نہ ڇندڙو، سدا منجھہ ڏکن،
آرتو اوتيان اکين، ساريو سپرين،
مُون واجهيندي ورہ ٿيا، الا مانَ ملن،
سِڪي سڄڻ گڏٿا، پڇاڻان وَرهَن،
گوندر لٿا ڇِندڙِي، پسِي ڪي پرين،
واٽون وڻ ٽڻ واسٿا، سُرهائيُون سيرن،
آءُ پڻ مکيان مُنهَن ڪي، پَڳِي جا پيرن،
ڪريان سرمو اکين، سندي ڪِهہَ ڪُڙين.

سچل رحہ

جي هجين عاشق، تہ بر سڙ مينهن محبت جو وساءِ،
ساهہ جو سانگو ڪرين، تان پير هِن پڙ ۾ نہ پاءِ.

پاڻُ ڪُلُ قربان ڪر، هِيءَ دم هڻ جي ناهِ جاءِ،
آءَ ادا اعتبار ڪر، آ هوش نيندڙ هيءَ هواءِ.

رت روئڻ راتو ڏينهان، آهي لِڳڻ محبوب لاءِ،
هي ملئي سودو سهانگو، ڪينڪي سِرڪون سواءِ.

ڪينڪي مون کان تيو، عمر تان ويئي اجاءِ،
هِت وساري نِي ويهڻ، جاني نہ توکي هئن جڳاءِ.

هيءَ مهَلَ موچارِي ٿِئِي، پوءِ ڪرين هاءِ هاءِ،
"هاءِ هيَ " مَون هٿ نہ ايندُءِ، ويلَ ويندَءِ واءِ واءِ!

هيءَ حقيقت حال جيَ، سارِي وِخي ساٿِينُ سٹاءِ،
سو سچو مرشد سچُوءَ جو، پير عبدالحق آهِہ.

خليفو گل محمد

دور دنيا جي متي، اي دل ڪٿين آيا ويا،
سڪ متي سورن ستي، اي دل ڪٿين آيا ويا.

ڪي سوداگر رات ڏينهان، منجهه وڻج وڪڻ خراب،
ڪوڙ دنيا جا ڪتي، اي دل ڪٿين آيا ويا.

ڪَن ڪِيُون پوڪون، تيُون پرپُور پِي پاڻي جڏهن،
پوءِ پڪي، هنئيون هتي، اي دل ڪٿين آيا ويا.

ٻانڌَ ڪٿين بحر ۾، لڙهندا وتن پاڻيءَ متي،
پيا سُڪي پاڻيءَ لتي، اي دل ڪٿين آيا ويا.

”گل“ حقيقت تو پڇين، ڪهڙي دنيا جي دور جي!
ڪا خبر ڪنهن کي اَچِي، اي دل ڪٿين آيا ويا.

آجیان= خاطر تواضع، خوش آمدید، خیر مقدم
آچَ= پیشکش، تجویز
آدر یاءُ= مرحبا، تعظیم
آڏو= سامنے، روبرو
آرماڙُ= جنگی جہازوں کا بیڑا
آکیرو= آشیانہ، گھونسلا
آنڊا= آنتیں
آڻڻُ= حاضر کرنا، لانا، لے کر آنا
آءٌ= میں، خود
اِبوجهہ= سادہ لوح، بھولا بھالا، نادان
اِبِرو= بے وسیلہ، بے سہارا
اُتان= وہاں سے، اسی جگہ سے
اُٿڻُ= اٹھنا، جاگنا، بیدار ہونا
اُٺَ= اونٹ، شتر
اپار= بے انتہا، بیحد
اُپَت= پیدائش، آمدنی، حاصلات
اجايو= بے جا، فضول، غیر ضروری
اُجرو= اجلا
اَڄُ= آج، ابھی، اب، فی الحال
اُڃَ= پیاس، تشنگی
اُڃايلُ= پیاسا، تشنہ
اڃا= ابھی تک، ہنوز، تادم

اَڌُ= نصف، آدھا، نیم
اَڏنگي= بدافعال، بدچال
اُسَ= تپش، گرمی، دھوپ
اسان= ہم، ہم سب، ہم لوگ
اُکیرَ= چاہت، پیار، محبت
اَکَرُ= حرف، لفظ، سخن
اڳُ= اگلا حصہ، ابتدا، شروع
اڳیرو= تھوڑا آگے، کچھ آگے
اڳواڻُ= رہبر، پیشوا
اڳیان= آگے، سامنے پہلے
اگهائڻُ= قبول کرنا، منظور کرنا، پسند کرنا
الوٽُ= مخمور، مدہوش
اَنبارُ= ڈھیر، ذخیرہ
اوتارو= منزل، آستانہ، مکان، دائرہ
اوٺي= اونٹھ والا، شتربان، تیز رفتار قاصد
اوچتو= اچانک اتفاقاً
اوڏو= پاس، نزدیک، قریب
اوڍڻُ= پہننا، اوڑھنا
اوسیڙو= انتظار، فکر، خیال، اندیشہ
اوطاق= مہمان خانہ
اوقتو= اجنبی، غیر، بیگانہ،

ناواقف
عرض اونايو= عرض قبول کيا
اهڃاڻ= نشانياں، علامات
اُهو= وه
ايترو= اتنا، اس قدر
پاکَ ڦٽڻُ= پوپهوٹنا، صبح صادق ہونا
ٻِڇاڻ= نفرت دلانا، خفا کرنا، بيزار کرنا
بندُ= قيد، جيل
ٻانهو= بنده، غلام، نوکر
ٻانهيون= چوڑياں
ٻُڌڻُ= سننا، معلوم کرنا
ٻرانگهون= دو قدم کا فاصله
ٻول= واعده، قول، اقرار، انجام
ٻهڪُ= چمک تازگی، روشنی
ٻهڪڻُ= چمکنا، مهکنا، مسرور ہونا
ٻئي= دونوں
ٻيرا ٻيرا= ٹکڑے ٹکڑے
ٻيڙي= کشتی، ناؤ
ٻيلا= جنگلات
ٻِتارُ= شوهر، خاوند
ٻَرُ= کناره، پاس
ٻلي ٻَت= اچھی طرح
تِڇُ= ذرا سی، تھوڑی سی
تَڏهن= تب، اس وقت، پھر
تيڏانهون= اس طرف سے، وهاں
ٽِکو= داغ، دهبا، بدکاری کا الزام
ٽيئي= تينوں
ٽهه پهه= فوراً، ايک دم
پاڙو= محله، پڑوس
پاڻُ= خود
پاڻي= آب، جل، پانی
پٽاندڙُ= مطابق، موجب، موافق
پڇاڙي= آخر، انت، انتها، اختتام
پرکڻُ= آزمانا، جانچنا، پرکھنا
پرڻائڻُ= شادی کرنا، بياه کرنا
پروڙ= خبر، واقفيت، علم
پريان= تھوڑا دور
پريت= محبت، پيار، چاهت
پرين= محبوب، معشوق
پَکَ= يقين، تصديق، تسلی، برابر
پکو= جهونپڑی
پوکَ= آبادی، فصل، کاشت، کھيتی
پکي= پرنده
پگهرُ= پسينه

پنو= کاغذ
پنھنجي= اپنی
پڻ= بھی
پَٽي= خاك، مٹی
پَهه= خیال، فکر، تجویز
پويان= پیچھے
پينگهو= جھولا، گھوارہ
پيهه= انبوہ، جھمگٹ
جتان= جہاں سے، جس جگہ سے
جڏهن= جب، جس وقت
جرڪندڙ= چمکدار
جڳ= جہان، سنسار، دنیا
جنڊو پاڙو لکي ڏيڻ= گھر داماد
بننا قبول کرنا
جو= کیونکہ، چناچہ
جوکائتو= نقصانکار، پر خطر
جھڙو= جیسا
جيڏانهن= جس طرف، جہاں،
جدھر
جيڪو= کوئی بھی، وہ
جيئن= جیسے، جس طرح
ڄاڻو= جاننے والا، واقف،
سمجھنے والا
ڄڃ= برات
ڄهڄڻ= کڑھنا، رونا

جهٽڪ= تنبیہ، دھمکی، ڈانٹ
چارڻ= گانے والا فقیر
چارو= پگڈنڈی
چِتَ= توجہ، فہم، سمجھ، خیال
چٽو= شفاف، ظاہر
چڱو= اچھا، خوب، بھلا
چڱيءَ طرح= اچھی طرح، بہتر
طریقے پر
چنڊ= چاند، قمر
چُني= ایك قسم کا دوپٹہ
چوڌاري= چاروں طرف، ارد گرد
چوڏهين= چودھویں (رات)
چوندڻ= چننا، انتخاب کرنا،
پسند کرنا، معافی دینا
چوڻ= بولنا، کہنا، ہدایت کرنا
چيڙاڪ= چڑچڑا، جوشیلا، غصہ
ور
ڇڏڻ= چھوڑ دینا، چھوڑنا، آزاد
کرنا
دٻلي= ڈبیا، ڈبی
دادلو= لاڈلا، پیارا، منچلا
ڌار= علحدہ، الگ، جداگانہ
ڌاري= غیر
ڌڪار= نفرت، بیزاری، حقارت
ڌنار= چرواھا، گوالا

ڏنُ= ريوڙ، گله

ڌوڙيو= گرد و غبار کا طوفان،
جهکڑ، بوچهاڑ

ڌيءُ= بیٹی، دختر، بنت

ڏاگهہ= چتا، آگ

ڏٻرائي= دبلاپن، ضعف، لاغری

ڏکوئڻُ= دکهانا

ڏوٿي= مکین، دیہاتی، جنگلی
پهل پهول پر گذاره کرنے والا

ڏمرُ= غضب، غصه، ناراضگی،
عتاب

ڏورانهين= دور دراز

ڏولائو= گردش، مصیبت، قحط،
افراتفري

ڏونگرُ= پہاڑ، پربت، کوه

ڏوهي= مجرم، ملزم، گنہگار

ڏهاڳ= انڈاپا، نحوست،
بدنصيبي

ڏينهن= دن، روز

ڏيهہُ= دیس، ملک

ڏيڻ= دینا

ڊگهي= لمبی

ڊوهہُ= دهوکه دینا، فریب دینا

ڍنڍَ= جهیل

رٿَ= رائے، مشوره، صلاح

رُڌلُ= مشغول، مصروف

رڳو= صرف، فقط، محض

رڻُ= بیابان، صحرا، ویرانه

روجُ راڙو= ماتم، کہرام

رهاڪو= باشنده

ريجهائڻُ= راضی کرنا، خوش کرنا

زال= بیوی، بیگم، زوجه

ساراهہَ= تعریف

ساروڻي= یاد

سامائجڻُ= سن بلوغت کو
پنہچنا، بالغ ہونا

سامهون= سامنے، آگے، روبرو

سان= سے، ساتھ، مع، قریب

سانگو= آسره، بهروسه، خیال،
موقع، تعلق

ساٿي= مددگار، حمایتی، ساتهی

ساههُ= سانس، نفس، دم، حیاتی

ساهيڙي= سکهی، سہیلی

سٽون سٽڻُ= تجاویز کرنا، سازش
کرنا

سجاڳ= بیدار، ہوشیار

سڄيون= ثابت، تمام

سُڃا= ویران، اجاڑ، تباه، برباد

سڃاڻڻُ= پہچاننا، جاننا، پرکهنا

سدائين= ہمیشه، دائم

سڌِ= خبر، علم، آگاہی
سرسُ= وافر، زیادہ، زائد، بہت
سکٽو= خالی، کھوکھلا
سڳنڌ= خوشبو، مہک
سِگھو= جلد
سڱُ= رشتہ، نسبت
سنيهو= پیغام
سڻائڻ= سنانا، بتانا، کہنا
سڻائي= آسانی
سوادُ= ذائقہ، مزہ
سوڀياوانُ= حسین، خوبصورت
سوجهرو= اجالا، روشنی
سوکڙيون= تحفہ، سوغات
سهانگو= سستا، ارزان
سونهن=خوبصورتی
سُهائو= روشنی، تجلی
سِيٽاهم= وہ مشکیزہ جس کو ہوا
سے بھر کر دریا میں تیرتے ہیں
ڦاٽڻُ= پھٹ جانا، پھٹنا
ڦرهي= لکڑی کی پٹی، تختی
ڦرڦوٽ= بھگدڑ، ہراس، کھلبلی
ڪارانڻ= سیاہی
ڪارڻُ= سبب، باعث، وجہ
ڪارڻي= کے سبب، وجہ سے
ڪارون= آہ و زاری، عاجزی

ڪاوڙ= غصہ
ڪَتِي= ثریا، پروین
ڪَٽڪُ= فوج، لشکر
ڪٺورُ= بیرحم
ڪُجهہُ= قدرے، تھوڑا، کچھ
ڪَڌو= برا، خراب، بدچلن
ڪڏهن= کب، کبھی
ڪَڍَڻُ= نکالنا، خارج کرنا
ڪُرُ= نسل، خاندان
ڪڙمي= کسان، کاشتکار
ڪڙڪيا= نازل ہوئے
ڪَڪِ= بیزار، خفا، تنگ
ڪَڪَرُ= گھٹا، ابر، بادل
ڪن ڀرڻ= بہکانا
ڪنڀرُ= کمہار
ڪنڊَ= کونا، گوشہ
ڪوڙو= جھوٹا
ڪَئين= بہت سے، لاتعداد، کئی
کِلَ= ہنسی، مذاق، دل لگی
کاڌو پيتو= کھانا پینا، دانہ پانی
کتوري= مشک
کَڙڪ= خبر
کوٽڻ= کھدائی کرنا
کوهہ= کنواں
کيرُ= دودھ

كتي= دھوبی

گاھہُ= گھاس، چارا

گدلو= میلا کچیلا، گدلا

گڏ= ساتھ

گڏجڻ= مل جانا

گڏجاڻي= ملاپ، وصال، ملاقات

گڏ ڪرڻ= ملانا، شامل کرنا

گوڙ= شور، غل

گوندرُ= فکر، غم، ملال

ڳاٽ= گردن

ڳالھہ= بات

ڳالھيون= تذکرہ، داستانیں، باتیں

ڳجھہ= رازداری، پردہ پوشی، مخفی

ڳچ= بڑا ٹکڑا

ڳچي= گردن

ڳوٺ= گائوں

ڳولائو= ڈھونڈنے والا، متلاشی

ڳھڻا= زیورات، گھنا

گھاٽي= گھری، قریب

گھٽتائي= کمی، قلت، کوتاہی

گھر= طلب، تقاضا، مانگ

گھرواري= گھروالی، بیوی، مالکن

گھوٽ= دولہا

گھورَ= قربان، صدقہ، نچھاور

لاڏ ڪوڏ= ناز نخرہ، لاڈ پیار

لاڙ= سندھ کا جنوبی حصہ

لاڙائو= اترنے والا، غروب ہونے والا

لاءِ= واسطے، کے لئے

لَڄَ= شرم، حیا، لاج، غیرت، آبرو

لُڇڻ= تڑپنا

لَڏي= کوچ کرکے

لڙڪَ= آنسو، اشک

لُڌڙو= ایک قسم کا آبی جانور، سگ آبی

لَقاءُ= نظارہ، تماشا، دیدار

لڪُ= درہ، پہاڑی، راستہ

لڳ ڀڳ= تقریباً، لگ بھگ

لَڱُ= عضو، انگ

لنگھي= گذر کر، آگے نکل کر، بڑھ کر

لوئي= عزت کا کپڑا، اونی چادر

ليڙون ليڙون= چیتھڑے، دھجیاں

ماٺِ= خاموشی، سکوت، آرام

ماٺو= ڈھیلا، سست

ماٺيڻو= خاموش طبع، کم گو، سنجیدہ

ماکي= شہد

ماڳ= جگه، مقام، ٹھکانا
ماڻڪ= هيرا، جوهر، گوهر
ماڻڻ= بسر کرنا، گذارنا
ماڻهو= شخص، بشر، فرد
ماءُ= ماں، والده
مٿان= اوپر
مٿيرو= بهادر، دلير
مَٽ= برابر، لائق، ہمسر
مٺيان= غصه، چڑ، ناراضگی
مَچ= آگ کا ڈھير
مدايون= برائياں، خطائياں
مَرڪُ= ظرف، واجب، موزون
مرگهه= ہرن
مَڙهُ= لاش، جنازه
مڱڻهار= مانگنے والا
موٽي= لوٹ کر
مُور= اصل، بنياد، جڑ
موڪڻ= سرخرو ہونا، کامياب ہونا
مون وٽ= ميرے پاس
موهجڻ= گرويده ہونا، فريفته ہونا
مهاڻا= ماهيگير، مچھيرے
مهل= موقع، دفعه، مرتبه
ميندي= مہندی، حنا
نابري= قطعی انکار
نارِ= عورت، بيوی

نانءُ= نام
نپائڻ= پالناپوسنا، پروان چڑھانا
نڌڻڪا= لاوارث، بے سہارہ، نادار، عاجز
نراڙ= پيشانی، ماتھا
نرملتا= پاکيزگی، اجلا پن
نروار= ظاہر ہونا
ننڊڻ= ملامت کرنا، مذمت کرنا
ننڊ= نيند، آرام، بے خبری
ننڍپڻ= بچپن
ننڍو= چھوٹا، حقير، تھوڑا
نويڪلائي= تنهائی، علحدگی، فرصت
نهارڻ= گھورنا، تکنا
نئون= نيا
نياڻي= بيٹی، دختر، لڑکی
نيٺ= آخرکار
نينگر= لڑکی
واٽهڙو= راهگير، مسافر
واپاري= تاجر، سوداگر، بيوپاری
واڄٽ= نقاره اور ڈھول کی بلند آواز
واڌايون= مبارک باديان
وارُ= بال
وارو= باری، والا، نوبت، کا

واري= ريت
واڙو= تھان، مويشيوں کی باڑ
واسُ= خوشبو، مہک
واڳون= مگر مچھ
وانگر= جیسا، مانند
واهرُو= مددگار
واهيري جي ويل= پرندوں کا آشیانوں میں بیٹھنے کا وقت
واهَڻُ= چھوٹا گائوں، دیہات
واءُ= ہوا
وترو= جلد، تیز
وَٿُ= شے، چیز
وَجَھہ= موقع
وَڃَڻُ= جانا
وچُ= بیچ
وچان= درمیان سے
وچولو= سندھ کا درمیانی خطہ
وڇوڙو= فراق، جدائی
وڃائڻ= بچھانا
وَڌَڻُ= بڑھنا
وڏو= بڑا
وَڍَڻُ= کاٹنا، قطع کرنا
ورلاپ= نالہ، بین
ورهائڻ= بانٹنا، تقسیم کرنا
وَڙُ= لحاظ، احسان
وسڪارو= برکھا، برسات
وِلها= مفلس، لاوارث
وَڻُ= درخت
وڻجارو= سوداگر، تجارت کرنے والا
وويڪُ= ضمیر، دل، قلب سلیم
وهٽو= اختیار میں، بس میں
ويڌَنِ= ظلم، اندھیر
ويرَ= وقت، ساعت، دم، وقفہ
وِيرُ= بہادر، دلیر
ويرمَ= دیر، تاخیر
وينتي= التجا، عاجزی
وڃڻ= عتاب، طعنہ، گالی
هاجَ= کام
هاڪَ= تعریف
هاڻي= اب
هشائي= اونٹھ کو بٹھا کر، جھکا کر
هڳاءُ= خوشبو، مہک
هنجھ= آنسو، اشک
هنڌين ماڳين= ہر جگہ، ہر جا
هيجَ= شوق، چاہت
هوڏَ= حجت، بازی
هيٺ= نیچے
هينئون= دل، قلب
هيڪڙو= اکیلا، واحد

پڙهندڙ نَسُل . پَ نَ

The Reading Generation

1960 جي ڏهاڪي ۾عبدالله حسين ” اُداس نسلين“ نالي ڪتاب لکيو. 70 واري ڏهاڪي ۾ وري ماڻِڪَ ”لُڙهندَڙ نَسُل“ نالي ڪتاب لکي پنهنجي دورَ جي عڪاسي ڪرڻ جي ڪوشش ڪئي. امداد حُسينيءَ وري 70 واري ڏهاڪي ۾ئي لکيو:

انڌي ماءُ ڄڻيندي آهي اونڌا سونڌا ٻارَ
ايندڙ نسل سَمورو هوندو گونگا ٻوڙا ٻارَ

هر دور جي نوجوانن کي اُداس، لُڙهندَڙ، ڪَڙهندڙ، ڪُڙهندڙ، ٻَرندڙ، ڀُرندڙ، ڪِرَندڙ، اوسيئڙو ڪَندڙ، ياڙي، ڪاٺُو، ياڄوڪَڙُ، ڪاوڙيل ۽ وِڙَهندڙ نسلن سان منسوب ڪري سَگهجي ٿو، پَر اسان اِنهن سڀني وِچان ”پڙهندڙ“ نسل جا ڳولائو آهيون. ڪتابن کي ڪاڳر تان کڻي ڪمپيوٽر جي دنيا ۾ آڻڻ، ڀين لفظن ۾ برقي ڪتاب يعني e-books ناهي ورهائڻ جي وسيلي پڙهندڙ نسل کي وَڌڻ، ويجهَڻ ۽ هِڪَ ٻِئي کي ڳولي سَهڪاري تحريڪ جي رستي تي آڻِڻَ جي آسَ رکون ٿا.

پڙهندڙ نَسل (پَنَ) ڪا بہ تنظيمَ ناهي. اُنَ جو ڪو بہ صدر، عُهديدار يا پايو وِجهندڙ نہ آهي. جيڪڏهن ڪو بہ شخص اهڙي دعوئٰ ڪري ٿو تہ پَڪَ ڄاڻو تہ اُهو ڪُوڙو آهي. نہ ئي وري پَنَ جي نالي ڪي پئسا گڏ ڪيا

ويندا. جيڪڏهن ڪو اهڙي ڪوشش ڪري ٿو تہ پَڪَ ڄاڻو تہ اُهو بہِ ڪُوڙو آهي.

جهڙيءَ طَرَح وڻن جا پَنَ ساوا، ڳاڙها، نيلا، پيلا يا ناسي هوندا آهن اَهڙيءَ طرح پڙهندڙ نَسُل وارا پَنَ بہ مختَلِف آهن ۽ هوندا. اُهي ساڳئي ئي وقت اُداس ۽ پڙهندڙ، بَرندڙ ۽ پڙهندڙ، سُست ۽ پڙهندڙ يا وِڙهندڙ ۽ پڙهندڙ بہ ٿي سگهن ٿا. بين لفظن ۾پَنَ ڪا خُصوصيِ ۽ تالي لڳل ڪِلَب Exclusive Club نہ آهي.

ڪوشش اها هوندي تہ پَنَ جا سڀ ڪَم ڪار سَهڪاري ۽ رَضاڪار بنيادن تي ٿين، پر ممڪن آهي تہ ڪي ڪم اُجرتي بنيادن تي بہ ٿِين. اهڙي حالت ۾ پَنَ پاڻ هِڪَبِئي جي مدد ڪَرڻ جي اُصولَ هيٺ ڏي وَٺُ ڪندا ۽ غيرتجارتي non-commercial رهندا. پَنَ پاران ڪتابن کي ڊِجيٽائِيز digitize ڪرڻ جي عَمَلَ مان ڪو بہ مالي فائدو يا نفعو حاصل ڪرڻ جي ڪوشش نہ ڪئي ويندي.

ڪتابن کي ڊِجيٽائِيز ڪرڻ کان پو ٻيو اهم مرحلو وِرهائڻ distribution جو ٿيندو. اِهو ڪم ڪرڻ وارن مان جيڪڏهن ڪو پيسا ڪمائي سگهي ٿو تہ ڀلي ڪمائي، رُڳو پَنَ سان اُن جو ڪو بہ لاڳاپو نہ هوندو.

پَنَ کي کُليل اکرن ۾ صلاح ڏجي ٿي تہ هو وَسَ پٽاندڙ وڌِ کان وَڌِ ڪتاب خريد ڪَري ڪتابن جي ليکڪَن، ڇپائيندڙن ۽ ڇاپيندڙن کي هِمٿائِن. پر ساڳئي وقت عِلم حاصل ڪرڻ ۽ ڄاڻ کي ڦهلائڻ جي ڪوشش دوران ڪَنهن بہ رُڪاوٽَ کي نہ مڃن.

شيخ اَيازَ علمَ، ڄاڻَ، سمجهہَ ۽ ڏاهپَ کي گيتَ، بيتَ، سِٽَ، پُڪارَ سان تَشبيهہ ڏيندي انهن سيني کي بَمن، گولين ۽ بارودَ جي مدِ مقابل بيهاريو آهي. اياز چوي ٿو تہ:

گيتَ بہِ جڻ گوريلا آهن، جي ويريءَ تي وار ڪَرن ٿا.
... ...
جئن جئن جاڙ وڌي ٿي جَڳَ ۾، هو ٻوليءَ جي آڙ ڇُپن ٿا؛
ريتيءَ تي راتاها ڪن ٿا، موٽي مَنجهہِ پهاڙ ڇُپن ٿا؛
... ...
ڪالهہَ هُيا جي سُرخ گُلن جيئن، اڄڪلهہ نيلا پيلا آهن؛
گيتَ بہِ جڻ گوريلا آهن........
... ...
هي بيتُ اَٿي، هي بَم ـ گولو، جيڪي بہ ڪٽين، جيڪي بہ ڪٽين!
مون لاءِ ٻنهي ۾ فَرَقُ نہ آ، هي بيتُ بہ بَمَ جو ساٿي آ،
جنهن رِڻ ۾ رات ڪَيا راڙا، تنهن هَڏَ ۽ چَمَ جو ساٿي آ ـ

اِن حسابَ سان اڄڪلهہ جي پاڻَ تي اِهو سوچي مَڙهڻ تہ ”هاڻي ويڙهہ ۽ عمل جو دور آهي، اُن ڪري پڙهڻ تي وقت نہ وڃايو“ ناداني‌ءَ جي نشاني آهي.

پَن جو پڙهڻ عام ڪِتابي ڪيڙن وانگر رُڳو نِصابي ڪتابن تائين محدود نہ هوندو. رڳو نصابي ڪتابن ۾ پاڻ کي قيد ڪري ڇڏڻ سان سماج ۽ سماجي حالتن تان نظر ڪجي ويندي ۽ نتيجي طور سماجي ۽ حڪومتي پاليسيون policies اڄڪلهہ ۽ نادانن جي هٿن ۾ رهنديون. پَنَ نِصابي ڪتابن سان گڏوگڏ ادبي، تاريخي، سياسي، سماجي، اقتصادي، سائنسي ۽ ٻين ڪتابن کي پڙهي سماجي حالتن کي بهتر بنائڻ جي ڪوشش ڪندا.

پڙهندڙ نَسُل جا پَنَ سيني کي **چوي، چالاءِ ۽ ڪينئن** جهڙن سوالن کي هر بَيانَ تي لاڳو ڪرڻ جي ڪوشش ڏين ٿا ۽ انهن تي ويچار ڪرڻ سان گڏ جوابَ ڳولڻ کي پنهنجو حق، فرض ۽ اڻٽر گهرج necessity unavoidable سمجهندي ڪتابن کي پاڻ پڙهڻ ۽ وڌ کان وڌ ماڻهن تائين پهچائڻ جي ڪوشش جديد ترين طريقن وسيلي ڪرڻ جو ويچار رکن ٿا.

توهان بہ پڙهڻ، پڙهائڻ ۽ ڦهلائڻ جي اِن سهڪاري تحريڪ ۾ شامل ٿي سگهو ٿا. بَس پنهنجي اوسي پاسي ۾ ڏِسو، هر قسم جا ڳاڙها توڙي نيرا، ساوا توڙي پيلا پن ضرور نظر اچي ويندا.

وڻ وڻ کي مون ڀاڪي پائي چيو تہ ”منهنجا ڀاءُ
پهتو منهنجي من ۾ تنهنجي پَـنَ پَـنَ جو پڙلاءُ“.
- اياز (ڪي جو ٻيجل ٻوليو)